Edited

آفتابِ سخن

عبدالحکیم خاں صاحب حکیمؔ امروہوی

تلمیذ فصیح الملک حضرتِ داغؔ مرحوم دہلوی

آفتاب اکیڈمی ۔ بلیماران ۔ دہلی ۶

بار اوّل

تعداد ایکہزار

مطبوعہ جید برقی پریس دلّی

قیمت چار روپے

پیشِ لفظ

از۔ ڈاکٹر محمود قادری اسعدؔ گورکھپوری
ایڈیٹر "الجمعیۃ" دلی

جناب عبدالحکیم خاں صاحب حکیمؔ امروہوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان اس سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں جسے ایک بڑے مردم خیز خطہ کے سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی " امروہہ " سرزمین مصحفیؔ۔ مولانا ناطق الملک ں امروہوی، وطن عزیز قویؔ امروہوی، جائے پیدائش ساکتؔ رہوی، جولاں گاہ حیاتؔ امروہوی، دانشکدہ مولانا حبیب احمد احب افقؔ امروہوی، مسکن مولانا عبدالقیوم صاحب شفقؔ امروہوی ن عزیز رئیسؔ امروہوی و کمالؔ امروہوی۔ اسی سرزمین پر یادگار داغؔ جناب عبدالحکیم خاں صاحب حکیمؔ امروہوی کا وجود گرامی کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ گیسوئے " اردو " کے سنوارنے والے شوخ مزاج اہلِ زبان شاعر داغؔ کی شاگردی کا جو اثر مرتب ہونا

چاہیئے تھا وہ جناب حکیمؔ امروہوی میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ مزید براں حکمت نے الفاظ کے استعمال اور ان کے مزاج کو سمجھنے کی جو قدرت انھیں عطا کی تھی وہ کم شعراء کو نصیب ہے۔ میدان شاعری بہت وسیع ہے۔ میرؔ کے دور کی شاعری اور غالبؔ کے زمانہ کا طرز کلام اپنی ارتقائی منزلوں کے اعتبار سے جدا ہیں۔ جو بات ولیؔ دکنی کے زمانہ میں تھی میرؔ کے زمانہ میں نہ ملے گی۔ اسی طرح داغؔ نے جس شاعری اور طرز تحریر و انداز خطاب کی بنیاد ڈالی وہ بھی اپنی جگہ سب سے الگ ہے۔ غزلگوئی کا اُستادانہ رنگ جو داغؔ کے یہاں ملتا ہے دوسروں کو نصیب ہے۔ اسی طرح روزمرہ بول چال، سامنے کی بات، الفاظ کی شوکت و حشمت کا اہتمام، حسنِ تحریر، اندازِ بیان سب کچھ اپنی ایک علیحدہ نوعیت سے داغؔ کے یہاں ملتے ہیں اور شعر گوئی کا وہی کمال ان کے شاگردِ رشید و عزیز حضرتِ حکیمؔ امروہوی کے یہاں بھی ملتا ہے۔ مختصراً ذیل میں ان کے کچھ اِشعار ناظرینِ کرام کے فیصلہ کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ پڑھیں اور اندازِ بیان و معاملہ بندی کا لُطف اٹھاتے ہوئے زبان کی تعریف کریں اور سر دُھنیں، فرماتے ہیں۔

[illegible]

تم گلے مل گئے گلا نہ رہا دل میں اب کوئی مدعا نہ رہا
تم سلامت رہو زمانہ میں میرا کیا ہے رہا، رہا نہ رہا
دے چکے ہم تو تجھ کو اے ظالم دل سے کچھ ہم کو واسطا نہ رہا

ناصح کو راز دار بنایا نہ جائے گا ایسے کا اے حکیمؔ مجھے اعتبار کیا

نہ کہئے آپ لیکن، آپ کو قائل بتاتا ہے
ہمارا قتل ہونا ، آپ کا روپوش ہو جانا

ہاں یہ وہی حکیمؔ ہے ہنستے تھے جس پہ آپ
فضلِ خدا سے شاعرِ شیریں بیاں ہے اب

ہیں خطائیں رقیب کی لیکن اور مجھ سے ہو تم خفا کیا خوب

بچپن میں تو بھولے تھے بہت سیدھے تھے لیکن
آتے ہی جوانی وہ ہوئے شانِ خُدا شوخ

اس ادائے دلربا پر اُن کے پیار آ ہی گیا
نیچی نظریں ہو گئیں جب اُن کے شرمانے کے بعد

بُت خانہ رہا یاد ، نہ کعبہ ، نہ خدا یاد
جس وقت سے آئی تری مستانہ ادا یاد

گو تم کو ابھی قدر نہیں ہے نہ ہو لیکن
آئے گی مرے بعد تمہیں میری وفا یاد

یہ خوب نکالی ہے نئی تم نے ادا اور
ہوتے ہو مری جان منانے سے خفا اور

انصاف بھی دنیا سے نرالا ہے کسی کا
مجرم ہو کوئی اور مگر پائے سزا اور

قتل ہر شخص ہوا جاتا ہے سن کر آواز
ہو گئی اب تو ستمگر تری خنجر آواز

مجھ کو دیکھو وفائیں کرتا ہوں
اور تم کرتے ہو جفا افسوس

ہمارا ہو کے ان کا ہو گیا دل
کریں کیا ہائے نکلا بے وفا دل

یارب ہماری شاخِ تمنّا پہ آ کے پھول
ناکامیٔ نصیب کہ مرجھا کے رہ گئے

یہ قیامت کی دل لگی ہے حکیمؔ
کھیل سمجھیں نہ آپ الفت کو

اگر وہ قتل پہ اے نامہ بر تیار بیٹھے ہیں
تو بسم اللہ ہم بھی جان سے بیزار بیٹھے ہیں
کلیجے میں، جگر میں، سینہ میں، پہلو میں، کیا دل میں
تمہاری چتونوں کے تیر سو سو بار بیٹھے ہیں

خدا نے اسی واسطے دی ہیں آنکھیں
حسینوں میں شانِ خدا دیکھتے ہیں
کمر باندھے بیٹھے ہیں ہم بھی وفا پر
کریں گے وہ کب تک جفا دیکھتے ہیں

یہ ناز، یہ انداز، یہ شوخی، یہ شرارت
دنیا سے نرالی ہیں ستمگر کی ادائیں

وہ تبسم بھی کیا قیامت ہے
دل پہ بجلی گرائے جاتا ہے
ان کو میرا خیال کچھ بھی نہیں
جن کا غم مجھ کو کھائے جاتا ہے

میری میت پہ ہنس کے فرمایا
عاشقوں کا یہ حال ہوتا ہے

کیوں نہ سمجھیں وہ تجھے مشفق حکیم
متفق ہیں حرف تیرے نام کے

لے لے، لے لے، دلِ مضطر کی دعائیں لے لے
حسن پھر تجھ پہ مری جان رہے یا نہ رہے

ان بے وفائیوں سے تری چاہتا ہے دل
کوئی کسی کے ساتھ نہ ہرگز وفا کرے

اعتراف وتعارف

از:- ساحر بھوپالی

ابھی چند روز پیشتر میرے ایک مہربان دوست جناب عطاء الرحمن صاحب نے حضرت حکیم امروہوی مرحوم کے مختصر حالاتِ زندگی اور ایک بہت مختصر انتخابِ کلام کی نقل مجھے دی اور مرحوم کے زیرِ طبع دیوان " آفتابِ سخن " کے لئے تعارف لکھنے کی پُر خلوص فرمائش کی یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تقریباً دو سال پہلے جبکہ میں اپنے دوسرے مجموعۂ کلام 'صدائے دل' کی اشاعت کے سلسلے میں دہلی آیا تھا تو اپنے مخلص دوست حضرت بدرؔ صاحب مالک حالی پبلشنگ ہاؤس کی فرمائش پر حضرتِ داغؔ مرحوم کے انتخابِ کلام کا مختصر تعارف لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور آج جبکہ میں اپنے تیسرے مجموعۂ کلام یدِ بیضا کو دہلی سے شائع کر کے دو روز بعد بمبئی واپس جانے والا ہوں حضرتِ حکیم امروہوی مرحوم کے پہلے دیوان کا نہایت مختصر تعارف لکھنے

کا شرف بھی مجھے حاصل ہو رہا ہے۔ مگر اس حالت میں کہ نہ تو میرے پاس وقت ہے اور نہ مرحوم کا کل کلام میرے سامنے ہے۔

اپنی پسند کے مطابق کسی شاعر کے کلام پر کچھ لکھنا تو بہت آسان ہے مگر اُس وقت سخت دشواری پیش آتی ہے جب ہم کسی شاعر و فنکار کے رجحان طبع کو سامنے رکھ کر اس کے فن کو پرکھیں اور اس کے مرتبہ کا تعین کریں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس طرح شعر گوئی کا مادہ ایک فطری چیز ہے اسی طرح شعر فہمی کا ملکہ بھی خداداد ہوا کرتا ہے۔

اس وقت میں جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں وہ حضرت حکیمؔ مرحوم کی شاعری کا کوئی تفصیلی جائزہ نہیں اور نہ فنّی حیثیت سے اس پر گفتگو کا موقع۔ لیکن اُن کے انتخابِ کلام کے سرسری مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرتِ حکیمؔ مرحوم کی شاعری یکسر جذبات کی شاعری ہے اور وہ یقیناً ایک قادر الکلام اور فطری شاعر ہیں۔ سادگی اور پُرکاری آپ کے ایک ایک شعر سے ہویدا ہے۔ "آفتاب سخن" مرحوم کا پہلا دیوان ہے قطع نظر اس کے کلام شعری محاسن سے مالا مال ہے اور کیوں نہ ہو۔ جس نے برسوں حضرت داغؔ دہلوی مرحوم سے اپنے کلام پر اصلاح لی ہو اور کامل پینسٹھ ۶۵ سال

جس نے مشقِ سخن بہم پہنچائی ہو اس کے کلام کے بے عیب ہونے پر بھلا کس کو تعجب ہو سکتا ہے ۔ افسوس تو اس کا ہے کہ حضرتِ حکیمؔ مرحوم جیسے یگانۂ روزگار کا کلام نشر و اشاعت کے لئے ترس رہا ہے مگر ہمارے "اردو داں" طبقہ کے دلوں پر اوس پڑی ہوئی ہے اور کسی ادارہ کو اس کی توفیق نہیں ہوتی کہ اس سرمایۂ ادب کا اس کے شایانِ شان اشاعت کا بندوبست کرے۔

حضرتِ حکیمؔ مرحوم کی شاعری کا مرکزی خیال وہی ایک "جذبہ عشق و محبت" ہے رکیک مضامین سے قطعی پاک اور تغزل میں ڈوبا ہوا۔

اب میں ذیل میں زیرِ نظر انتخاب سے صرف چند پاکیزہ اور بھرپور شعر نقل کرتا ہوں تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ حضرتِ حکیمؔ امروہوی مرحوم کس پایہ کے شاعر تھے۔

کیا خبر تھی کہ یوں ہو جائے گا جانا دل کا ——— ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا دل کا

آہ کر کے مرا افسوس وہ چپ ہو جانا ——— باتوں باتوں میں کسی کا وہ اڑانا دل کا

نہ اداسی نہ وہاں لطف ہے ویرانہ کا ——— خلد میں خاک لگے دل ترے دیوانہ کا

وصل کی کیسی خوشی، جب غم کا ساماں ہو گیا
اس تمنّا کا بُرا ہو وہ پشیماں ہو گیا

میں نے چاہا تھا چھپاؤں رازِ دل سے مگر
کیا کروں حسرت کی نظروں سے نمایاں ہو گیا

وہ نہ آئیں گے نہ آئیں شبِ وعدہ لیکن
اے اجل تو ہی چلی آ ترا احساں ہو گا

گردشِ چرخ کا کھٹکا نہیں مطلق اسکو
جس نے ظالم ترا اندازِ نظر دیکھ لیا
وہ دمِ نزع عیادت کو مری آئے حکیم
شکر ہے میں نے انھیں وقتِ سفر دیکھ لیا

تم گلے مل گئے گلا نہ رہا
دل میں اب کوئی مدعا نہ رہا
تم سلامت رہو زمانے میں!
میرا کیا ہے رہا، رہا، نہ رہا

ہر درخت تاک جھانک حسینوں کی تھی جسے
واعظ قسم خدا کی وہ عہدِ شباب تھا

ظلم سہ لیں گے ترا جو ستم آرا ہو گا
رشکِ دشمن نہ مگر ہم سے گوارا ہو گا

کہتے ہیں وہ ہرگز نہیں ہوگا نہیں ہوگا جسکی کر دعا مانگتے ہیں شام وسحر آپ

یا الٰہی شب فرقت تو کٹی برسوں میں
ہوگئی وصل کی کیوں جلد سحر آپ سے آپ

کیوں وصل کی شب تکو رہے گی نہ بھلا یاد بھولوگے اگر تم تو دلائے گی حیا یاد

یہ خوب نکالی ہے نئی تم نے ادا اور ہوتے ہو مری جان منانے سے خفا اور

مجھ کو دیکھو وفائیں کرتا ہوں اور تم کرتے ہو جفا افسوس

جوشِ جنوں کا دیکھئے اپنے یہ حال ہے
دامن ہے ٹکڑے ٹکڑے، گریباں الگ الگ

کلیجے میں، جگر میں، سینے میں، پہلو میں کیا دل میں
تمہاری چتونوں کے تیر سو سو بار بیٹھے ہیں!

جب بس نہ چلا اپنا ستمگر پہ تو بولے برباد تو ہم اپنے مقدر کے گئے ہیں

بیکسی میں بھی یاد آتی ہیں کیا وفادار اس کی باتیں ہیں

بن جاؤں اگر آئینہ قسمت سے اگر میں ہر وقت ہی دیکھوں بُتِ خود سر کی ادائیں

کہہ گئی شرم و حیا ان کی جوانی سے حکیم اب نہ آئینگے کبھی آپ کے گھر جانے دو

عیادت کے حیلہ سے آکر مرے گھر ادا تم نے رسمِ وفا کی تو ہوتی
میں بچتا نہ بچتا نہ تقدیر میری دمِ نزع تم نے دعا کی تو ہوتی

کان ہیں منتظر مرے لیکن ہائے اُن کی صدا نہیں آتی

لے لے، لے لے دلِ مضطر کی دعائیں لے لے
حسن پھر تجھ پہ مری جان رہے یا نہ رہے

ان بے وفائیوں سے تری چاہتا ہے دل کوئی کسی کے ساتھ نہ ہرگز وفا کرے

قطعہ تاریخ

از جناب نواب فصاحت جنگ حضرت جلیل مانکپوری

جانشین حضرتِ امیر مینائی مرحوم لکھنوی۔ استادِ حضور نظام دکن دام اقبالہٗ

منشی عبدالحکیم خاں صاحب مہربان و شفیق و مشفقِ من
لکھ چکے اپنا پہلا دیواں جب مجھ سے فرمایا لکھدے مصرعِ سن
غوطہ زن بحرِ فکر میں ہو کر دُرِ معنی سے پُر کیا دامن
تو یہ آواز غیب سے آئی لکھ دے یہ اے جلیل مصرعِ سن

سب نجومِ سخن ہوئے روپوش
چھپ کے جب نکلا "آفتابِ سخن"

۱۳۴۰ ھجری

قطعہ تاریخ

از جناب عبدالمحی صاحب شیدا بدایونی

واہ کیا خوب ہے کلامِ حکیم
جس نے روشن کیا ہے نامِ حکیم

ہے ہر اک نظم اس کی زینتِ بزم
مرحبا حُسنِ انتظامِ حکیم

یہ نفاست زباں کی دکھلائیں
یار لوگوں کو ہے پیامِ حکیم

اس کی تاریخ تم لکھو شیدا
دفترِ عشق ہے کلامِ حکیم

۱۳۳۸ ہجری

قطعہ تاریخ

از جناب ناخدائے سخن تاج الشعرا حضرت نوح ناروی

جانشین حضرت داغ دہلوی

اب چھپیگا حکیم کا دیوان
دیکھ کر ہوں گے شاد ماہرِ فن
نوح لکھتا ہے مصرعۂ تاریخ
حُسنِ جاوید "آفتابِ سُخن"

۱۳۳۶ ہجری

قطعہ تاریخ

از جناب حُب لعل صاحب رعدؔ مجسٹریٹ گوالیاری

تلمیذ نواب فصیح الملک بہادر داغؔ دہلوی

دیوانِ حکیمؔ جس نے دیکھا
دل تھام لیا تڑپ گیا وہ

انداز بیاں ہے سیدھا سادا
شوخی ہے کلام میں غضب کی

ہر شعر ہے بے مثال اس کا
ہر ایک غزل ہے اس کی دلکش

تاریخ کی فکر کر رہا تھا
ہاتف نے کہا یہ مجھ سے جب میں

اے رعدؔ حکیمؔ خوش بیاں نے
کیا نسخۂ بے نظیر لکھا

۱۹۷۳ بکرمی

قطعہ تاریخ

ازجناب سید افتخار حسین صاحب مضطر خیر آبادی

جج ریاست گوالیار و استاد دربار ٹونک

حکیم خوش بیاں کا واہ کیا بےمثل دیواں ہے
سمجھتے ہیں اسے اہلِ بصیرت آنکھ کا تارا

یہ دیواں درحقیقت اک پھلا پھولا گلستاں ہے
نرالے گل کھلائے ہیں بہار طبع رنگیں نے

غزل کا مصرع مصرع رو کشِ زلفِ حسینیاں ہے
جو مضموں ہے انوکھا ہے جو بندش ہے نرالی ہے

پھر اس پر روزمرہ وہ کہ حیراں ہر سخنداں ہے
زباں ایسی زباں ہے رشک جس پر دلی والوں کو

یہ لکھدو مصرعِ تاریخ مضطر سالِ ہجری میں
یہ دیوانِ حکیم خوش بیاں کیا جانِ جاناں ہے

۱۳۳۸ ہجری

قطعہ تاریخ

از جناب نواب جہان بہادر خان صاحب بہادر رئیس اعظم بانس بریلی

مائل شعر و سخن جب ہوئے ارمان حکیم — سر بسجدہ ہو مضامیں ہوئے مہمان حکیم

پُر اثر ایسا ہے ہر شعر کہ اللہ اللہ — جملہ معشوق و سخنداں ہوئے خواہان حکیم

عشق کا کوئی دقیقہ نہیں باقی رکھا — پھر دیا رنگ جہاں تک کہ تھا امکان حکیم

دل پہ معشوقوں کے ہوتا ہے اثر پڑھنے سے — نسخۂ صحت عشاق ہے دیوان حکیم

یہ فصاحت یہ متانت یہ زبان دہلی — اللہ اللہ کہ اردو پہ ہے احسان حکیم

فکر تاریخ ہوئی مجھ کو تو ہاتف نے کہا — کیا ہی لاثانی و بےمثل ہے دیوان حکیم

کاٹ کر درد کا سر کہہ دو بہادر بے خوف
سب کے دیوانوں کا ہاں فخر ہے دیوان حکیم

۱۳۳۶ ہجری

قطعہ تاریخ

از جناب مولوی سید حبیب احمد صاحب آفق امروہوی

تلمیذ حضرت غریب سہارنپوری

اے زہے طالعِ بلند حکیم
از خدا یافت مخزنِ مضموں

چوں آفق فکرِ سالِ طبع نمود
ہاتفش گفت گلشنِ مضموں

۱۳۳۶ ہجری

ہوگیا تیار دیوانِ حکیم
جس کا ہر اک شعر شکر ریز ہے

طبع کا اس کی آفق سالِ سعید
نظمِ دل افروز شور انگیز ہے

۱۹۱۸ عیسوی

حکمتوں سے ہے پُر کلام حکیم
اس میں بے انتہا بلاغت ہے

اے آفق سالِ طبع کی تاریخ
لکھ شکر ریزئی فصاحت ہے

۱۳۲۶ فصلی

جنابِ ظفرؔ صاحب بریلوی

گلکاریِ حکیم حقیقت طراز ہے

جو بات بھی ہے اونکی وہ جدّت نواز ہے

ان کی زباں سے ان کا بیاں سرفراز ہے

اونکی حقیقتوں سے گریزاں مجاز ہے

تعریف کیا لکھوں اے ظفرؔ ان جناب کی

تشبیہ کس سے دوں سخنِ التہاب کی

الف

یہاں دیکھا، وہاں دیکھا، جدھر دیکھا، جہاں دیکھا
تجھی کو ہر جگہ اے خالقِ کون و مکاں دیکھا

مصیبت میں کوئی کب کام آتا ہے سوا تیرے
تجھی کو بیکسی میں دستگیرِ بیکساں دیکھا

نہاں گو ذرّہ ذرّہ میں ہے تُو لیکن بظاہر تو
نہ کچھ تیرا نشاں پایا، نہ کچھ تیرا نشاں دیکھا

معاونِ بیکسوں کا کون ہے تیرے سوا یارب
مصیبت میں تجھی کو دافعِ رنجِ گراں دیکھا

ہزاروں مر مٹے، لیکن وہی ہیں رنگ ڈھنگ اسکے
بہارِ باغِ عالم کو، الٰہی، بے خزاں دیکھا

قیامت ہے کہ زاہد بھی خدا لگتی نہیں کہتا
اسے بھی اب کئی دن سے طرفدارِ بتاں دیکھا

تمہاری مہربانی قدردانی کا ہے کیا کہنا
نہ تم سا مہرباں پایا، نہ تم سا مہرباں دیکھا

یہ وعدہ ہے تمہارا، یا کوئی حیلہ حوالہ ہے
دمِ اقرار ہنس کر کیوں مجھے اے مہرباں دیکھا

حیا و شرم سے جو سامنے بھی ہو نہیں سکتیں
انہیں آنکھوں سے تم نے تھا ہجومِ عاشقاں دیکھا

زہے لطف و کرم، احباب کیا، دشمن بھی راضی ہیں
کرم فرما، نہ ہم نے آپ سا اے مہرباں دیکھا

مری بربادیوں کو وہ بھلا جانے تو کیا جانے
نہ ہو جس نے الٰہی انقلابِ آسماں دیکھا

حسینانِ جہاں گو بے وفا مشہور ہیں، لیکن
انہیں بھی تو نہ تجھ سا بے وفا، عمرِ رواں دیکھا

دلِ گم گشتہ کے مذکور پر اُف کن اداؤں سے
کسی بے درد کا جھنجھلا کے یہ کہنا، کہاں دیکھا

شبِ فرقت زباں سے دیکھیے اُف تک نہیں نکلی
ہمارا سا کسی میں آپ نے ضبطِ فغاں دیکھا

یہ مانا اور بھی شاعر ہزاروں ہیں زمانہ میں
مگر خوش گو نہ تجھ سا اے حکیمِ خوش بیاں دیکھا

کیا غم حکیم کو ہو گناہِ عظیم کا — وہ ہے گناہگار خدائے کریم کا

جب سے سُنا ہے نام غفور الرحیم کا — کھٹکا نہیں ہے کچھ ہمیں نارِ جحیم کا

زاہد نہ معترض ہو ہمارے گناہ پر — دیکھا ہے تو نے منہ بھی ہمارے کریم کا

سمجھے تو کوئی غور سے، کیا بات رہ گئی — اک حرف کم جو کر دیا احمد کی میم کا

سچ ہے کہ عاصیوں پہ نہ رحمت ہو کیوں نثار — دم بھر رہے ہیں جب وہ خدائے کریم کا

پرسش گناہگار کی ہو کیوں نہ حشر میں — کیا مستحق نہیں وہ ثوابِ عظیم کا

کیونکر نہ ہو الم دلِ گم گشتہ کا مجھے — ہوتا ہے رنج سب کو رفیقِ قدیم کا

کیا خاک ہو خوشی کہ مجھے خط میں نامہ بر — اُس نے لکھا ہے حرف "الف" "لام" "میم" کا

صد شکر پوچھتے ہیں مرے نامہ بر سے وہ
اچھا تو ہے مزاج جنابِ حکیم کا

کیا کہیں اور ہم رسولِ خدا
تم ہو بحرِ کرم رسولِ خدا

التجا ہے کہ دین و دنیا میں
رکھئے میرا بھرم رسولِ خدا

آپ کا وصف اور یہ عاصی
کر سکے کیا رقم رسولِ خدا

مجھ گنہگار پر بھی رکھئے گا
آپ لطف و کرم رسولِ خدا

حشر کا خوف کس لئے ہو مجھے
جب ہیں شاہِ اُمم رسولِ خدا

لُطف اس موت میں ہے مر جائیں
آپ کے غم میں ہم رسولِ خدا

غنچے کہتے ہیں یہ چٹک کے حکیم
ہیں کلیدِ کرم رسولِ خدا

ادا کیا شکر ہو یارب ترے اکرام بیحد کا
کہ مجھ ناچیز کو خادم کیا تو نے محمدؐ کا

ٹھکانا ہے کہیں یارب بھلا اس ظلم بیحد کا
مٹاؤ الا ستمگر نے نشاں تک میرے مرقد کا

بروزِ حشر مجھ سے کوئی پوچھیگا تو کہہ دونگا
کہ ہوں بندہ خدا کا اور میں خادم محمدؐ کا

تری رحمت سے میرا خاتمہ بالخیر ہو یارب
دمِ آخر پڑھوں میں دمبدم کلمہ محمدؐ کا

ثناخواں تو ہی جب ہے اور قرآں جسکا شاہد ہے
بیاں کس منہ سے ہو یارب بھلا پھر وصفِ احمدؐ کا

نگاہِ فتنہ گر کی چوٹ سے کیا خاک بچتے ہم
بچانا غیر ممکن ہے جنابِ خضرؑ اس زد کا

کرے کیا مجھ سا میکش مے سے توبہ حضرتِ زاہد
بجا لاؤں گا میں ارشاد لیکن پیرِ مرشد کا

یہ سچ ہے آپ کیونکر چھوڑ دیں خوئے دل آزاری
کہ ممکن ہی نہیں جانا کسی کی عادتِ بد کا

حکیم اب آنکھ کھولو خوابِ غفلت سے ذرا جاگو
سنو تو غور سے غل ہے یہ کس کی آمد آمد کا

دلِ مضطر بلانا ہے وہاں کا
اثر ہے یہ مری آہ و فغاں کا

اگر نالے ہمارے بے اثر ہیں
پسِ دیوار کیوں پھر تم نے جھانکا

بنا تربت کا اپنی شامیانہ
الٰہی ہو بھلا اس آسماں کا

مری جاں پوچھئے دل سے جگر سے
کہوں کیا حال میں سوزِ نہاں کا

کسی کا بھی دیا ہے ساتھ اس نے
بھروسہ جو کروں میں اپنی جاں کا

مجھے جب مضطرب دیکھا تو بولے
یہ کہئے تو ارادہ ہے کہاں کا

ستم مجھ پر کرم غیروں پہ ظالم
یہی دستور ہے کیوں کیا جہاں کا

یقیں وعدوں پہ کیا آئے تمہارے
نہیں ہے پاس جب تم کو زباں کا

کہیں ہم آپ ہی کھوئے نہ جائیں
نشاں ڈھونڈیں اگر اس بے نشاں کا

فلک نے کیا نہیں کی پردہ پوشی
کسی نے بھی کسی کا عیب ڈھانکا

مرے اشعار سن کر وہ یہ بولے
سخن ہے یہ حکیمِ خوش بیاں کا

کیا خبر تھی کہ یوں ہو جائے گا جانا دل کا — ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا دل کا
ہے توقع کہ بدل جائے زمانہ دل کا — کاش سُن لیں وہ کہیں دل نے فسانا دل کا
کیا سُنے وہ بُتِ بیدرد فسانہ دل کا — جب نہیں ہائے موافق ہی زمانا دل کا
ہو گیا دشمنِ خونخوار زمانہ دل کا — کیا قیامت تھا مری جان لگانا دل کا
ناوکِ ناز کو اللہ سلامت رکھے — اک نہ اک روز یہ باندھیگا نشانا دل کا
شمع کہتی ہے سرِ بزم یہ پروانہ سے — تجھ سے سیکھے کوئی کمبخت جلانا دل کا
شکوہ صحبتِ اغیار پہ وہ کہتے ہیں — کیوں ہمیں تم نے سکھایا تھا لگانا دل کا
کون سا ہے وہ سلیقہ یہ بتاؤ مجھ کو — جو یہ کہتے ہو کہ سیکھو تو لگانا دل کا
لطف جب ہے کہ تمہیں بھی کوئی تم سا مل جائے — پھر ہو معلوم کہ کیا شے ہے لگانا دل کا
قیس و فرہاد کے افسانوں میں کیا رکھا ہے — تم سنو مجھ سے مری جان فسانا دل کا
آہ کر کے مرا افسوس وہ چپ ہو جانا — باتوں باتوں میں کسی کا وہ اڑانا دل کا
گنجِ قاروں کی ہے کیا خاک حقیقت ظالم — ہم لٹاتے ہیں محبت میں خزانا دل کا
جو فسونگر ہو، دغا باز ہو، ہرجائی ہو — کیا لگے اس کی محبت میں ٹھکانا دل کا
دل کے جانے کا جگر کو نہ قلق ہو کیونکر — یار و غمخوار بھی تو ہے پورانا دل کا
شاد ہوا ہے دلِ ناشاد کہ وہ کہتے ہیں — ہم کو امید ہے پلٹے گا زمانہ دل کا

وہ غضب قہر جوانی کی امنگیں ہیں حکیم
سخت مشکل ہے حسینوں سے بچانا دل کا

نہ اُداسی، نہ وہاں لطف ہے ویرانہ کا ... خلد میں خاک لگے دل ترے دیوانہ کا
ہم سے سیکش یہی دن رات دعا دیتے ہیں ... دَور دورہ رہے ساقی ترے میخانہ کا
بے خطا یہ تو بتا کون تجھے کہتا ہے ... شمع جب خون ہے سر پہ ترے پروانہ کا
لامکاں کی کہی تُو نے مگر اے زاہد ... تجھ کو کچھ حال بھی معلوم ہے میخانہ کا
پوچھیئے حضرتِ موسیٰ سے یقیں ہو نہ اگر ... قصۂ طور ہے ٹکڑا مرے افسانہ کا
جاں بلب تشنہ لبی سے ہی پلا دے اتنو ... حال بے حال ہے ساقی ترے مستانہ کا
بزم میں یار کے قدموں پہ گرایا مجھ کو ... مجھ پہ احسان ہے یہ لغزشِ مستانہ کا
سچ تو یہ ہے کہ کرے ضبطِ فغاں وہ کیا خاک ... دل ہی قابو میں نہیں جب ترے دیوانہ کا
دردِ دل دردِ محبت سے جو واقف ہی نہیں ... لطف کیا آئے اُسے پھر مرے افسانہ کا
مر مٹا تجھ پہ وہ لیکن تجھے پرواہ بھی نہیں ... کیا بُرا حال ہے لیلیٰ ترے دیوانہ کا

کیوں نہ تھامے جگر و دل کو وہ ہاتھوں سے حکیم
کیا کوئی کھیل ہے سُننا مرے افسانہ کا

سامنا ہے عجیب مشکل کا
حال پوچھو نہ اپنے بسمل کا

آئنہ دیکھ لو تو ہو معلوم
دوسرا ہے کوئی مقابل کا

اُس کے جوہر بلا کے جوہر ہیں
واہ کیا کہنا تیغِ قاتل کا

راہِ الفت بڑی ہے ٹیڑھی کھیر
کیا ٹھکانا ہے اُس کی منزل کا

زلفِ پیچاں سے آپ کی الجھا
دیکھئے حوصلہ مرے دل کا

مشکلیں اُس نے کیں مری آساں
مجھ پہ احساں ہے تیغِ قاتل کا

خاکساری ہی میں مزہ ہے حکیمؔ
مرتبہ دیکھئے ذرا گِل کا

چھیڑو نہ مجھے حال برا ہے مرے جی کا
کہنا یہ شبِ وصل قیامت تھا کسی کا

راحت کا گذر ہے نہ کہیں اس میں خوشی کا
کچھ حال نہ پوچھو مری جاں تم مرے جی کا

کرتی ہے مجھے شاد یہ کہہ کہہ کے شبِ غم
اللہ کبھی دن بھی دکھائے گا خوشی کا

کیا جانے بھلا وہ کہ خوشی بھی ہے کوئی شے
جس نے کہ کبھی نام سنا ہو نہ خوشی کا

تم جی سے سنو گے بھی یہ اقرار تو کر لو
پھر تم سے کہوں حال بھی جو ہے مرے جی کا

کیا مجھ کو جلائے گی بھلا نارِ جہنم
خادم ہوں الٰہی میں رسولِ عربی کا

دیکھو نہ ہنسو، مانو کہا، مرگِ عدو پر
یہ بھی کوئی موقع ہے تم ہی کہو ہنسی کا

کی جور و ستم کی جو شکایت تو بگڑ کر
کہنے لگے کیا اسمیں اجارہ ہے کسی کا

جب ہو تجھے معلوم محبت کی حقیقت
اللہ کرے تو بھی ہو دیوانہ کسی کا

کیا مرگِ عدو کی ہو خوشی مجھ کو ستمگر
اک روز مزہ مجھ کو بھی چکھنا ہے اسی کا

ہوں گے وہ پریشان حکیم جگر افگار
کیا حال لکھوں انکو میں آشفتہ دلی کا

آنکھ سے آنکھ ملے دل سے اگر دل نہ ملا
ملنے والے کو کچھ اے حورِ شمائل نہ ملا

وائے محرومئ قسمت کہ مجھے مقتل میں
قتل ہونے کو گیا اور وہ قاتل نہ ملا

دیکھ لو تم سا اس آئینہ میں اک ہے کہ نہیں
پھر نہ کہنا کہ مجھے میرا مقابل نہ ملا

وائے تقدیر رہِ عشق میں رہبر ہم کو
ایک دو کوس تو کیا سیکڑوں منزل نہ ملا

میں ہوں ممنون کہ بوسہ تو ملا بے مانگے
وہ یہ کہتے ہیں کہ تجھ سا کوئی سائل نہ ملا

آہ و فریاد ہے لب پر تو زباں پر نالے
عشقِ گل میں تمہیں کچھ لطفِ عنادل نہ ملا

کیا کرے عشق و محبت میں حکیم اے ناصح
ایک کی تجھ سا اُسے مرشدِ کامل نہ ملا

نوشتہ کاتبِ تقدیر کا کیونکر بدل جاتا
یہ کچھ وعدہ نہیں تھا آپ جیسے کا کہ ٹل جاتا

دمِ آخر ترے دیدار کا ارماں نکل جاتا
اگر بیمار تیرا دو گھڑی کو بھی سنبھل جاتا

مجھے سمجھا تھا کیا اس فتنہ گر نے کوئی دیوانہ
جو مجنوں کی طرح میں اسکے کوچہ سے نکل جاتا

ہمارے قتل کا دعویٰ تھا لیکن اس نزاکت پر
بھلا فرمایئے تو آپ سے خنجر سنبھل جاتا

نہیں سنبھلے ہمیں اک وائے رہی بربادیٔ قسمت
وگرنہ آدمی ہے ٹھوکریں کھا کر سنبھل جاتا

مثل سچ ہے پرائی آگ میں پڑتا نہیں کوئی
وگرنہ ساتھ کوہِ طور کے موسیٰ بھی جل جاتا

خموشی کا سبب تو اے دلِ ناداں نہیں سمجھا
خدا جانے میں کیا کہتا زباں سے کیا نکل جاتا

ترے آئینۂ دل سے غبارِ رنج کب نکلا
صفائی تو جبھی ہوتی کہ یہ ظالم نکل جاتا

مری غیبت میں فرماتے ہیں مجھکو کیوں کیا پیدا
اگر مرنا ہی تھا تو زہر تھوڑا سا نگل جاتا

بجائے شکوہ میں احسان تیرا مانتا اے چرخ
جو ساری عمر میں اک بار بھی میں پھول پھل جاتا

مری شامت تھی کیوں جاتا میں کیا کرتا ہٹاتا تو
دلِ ناداں اگر اُن کی بزم میں جا کر مچل جاتا

خدا کے گھر بھی جانا بے بلائے غیر ممکن ہے
بلاتے وہ تو قاصد شوق سے میں سر کے بل جاتا

شبِ فرقت تسلی یوں خیالِ یار دیتا ہے
جو وہ پہلو میں آجاتے تو کیا تو کچھ بہل جاتا

حکیم ایسا نہ تھا ناداں کہ دیتا مفت دل تم کو
تمہاری طرح وہ بھی تم سے کوئی چال چل جاتا

عشق میں کون کامیاب ہوا !
قیس بھی خانماں خراب ہوا

کون کہتا ہے یوسفِ ثانی
تو حسینوں میں انتخاب ہوا

ایک بوسے کے تم گنے تم نے
کیا قیامت کا یہ حساب ہوا

کون کہتا ہے مجھ سے عاصی پر
کہ جہنّم میں کچھ عذاب ہوا

کہہ رہی ہے تری حیا ظالم !
ہو نہ ہو کوئی کامیاب ہوا

جب رقیبوں سے یہ اشارے ہیں
ہم سے محفل میں کیوں حجاب ہوا

اس غزل کا نہیں جواب حکیمؔ
اس کا ہر شعر لاجواب ہوا

کہوں یہ کس طرح کوئی ستمگر ہو نہیں سکتا
مگر اے فتنہ گر تیرے برابر ہو نہیں سکتا

بپا کیا چال سے تیری ستمگر ہو نہیں سکتا
یہ کوئی مان لے کیسے کہ محشر ہو نہیں سکتا

کہاں تک صبر دوں اے فتنہ گر میں کیا کروں اسکو
ترے دل کی طرح یہ دل تو پتھر ہو نہیں سکتا

تمہارے ہجر کی آخر اٹھائے سختیاں کبتک
کہ عاشق کا کلیجہ کوئی پتھر ہو نہیں سکتا

مقابل آئینہ ہے اور اس سے وہ یہ کہتے ہیں
حسینانِ جہاں میں ہم سے بہتر ہو نہیں سکتا

ابھی کمسن ہو تم اس بات کو جانو تو کیا جانو
کہ الفت میں کسی سے صبر کیونکر ہو نہیں سکتا

جفائیں کر کے مجھ پر تو مٹا مجھکو نہ اے ظالم
کہ ایسا شخص پھر تجھکو میسر ہو نہیں سکتا

تری ہر بات کیونکہ قابلِ تسلیم ہو قاصد
کہ کچھ کہنا ترا حکمِ پیمبر ہو نہیں سکتا

وہی ہو جائیگا بیشک یہاں بھی جو وہ چاہینگے
مرا چاہا مگر اے اہلِ محشر ہو نہیں سکتا

تسلی تم نہ دو جب تک تسلی ہو نہیں سکتی
گھڑی بھر کو رکے یہ دیدۂ تر ہو نہیں سکتا

مرے اشعار جس نے بھی سُنے سن کر یہ فرمایا
حکیمِ خوش بیاں تجھ سا سخنور ہو نہیں سکتا

فرقت کا ستم ہم سے اٹھایا نہیں جاتا
واللہ یہ غم ہم سے اٹھایا نہیں جاتا

کیا خاک کریں قصدِ صنم خانہ الٰہی!
جب ایک قدم ہم سے اٹھایا نہیں جاتا

سہ لیں گے ترے جور، مگر رشکِ عدو کا
مجبور ہیں ہم ہم سے اٹھایا نہیں جاتا

ہیں لطف و کرم وہ ترے اے مجمعِ خوبی
احسانِ کرم ہم سے اٹھایا نہیں جاتا

کیا خاک لکھیں حالِ شبِ ہجر کا اے ضعف
افسوس قلم ہم سے اٹھایا نہیں جاتا

کیوں آپ ہیں فرمائیے اغیار سے شاکی
کیا بارِ ستم ہم سے اٹھایا نہیں جاتا

ہر بات حکیمؔ اُن کی زمانہ سے نئی ہے
فرماتے ہیں غم ہم سے اٹھایا نہیں جاتا

وصل کی کیسی خوشی جب غم کا ساماں ہو گیا | اس تمنا کا برا ہو وہ پشیماں ہو گیا

جو میں کہتا تھا وہی اے چرخِ گرداں ہو گیا | عرصۂ محشر میں ہر اک اُسکا خواہاں ہو گیا

دھوم ہے تیری کریمی کی اِلٰہ العالمیں | اسلئے میں اور بھی پابندِ عصیاں ہو گیا

حشر میں کیا داورِ محشر کو ہم دیں گے جواب | نذرِ کافر جب ہمارا دین و ایماں ہو گیا

میں نے چاہا تھا چھپاؤں رازِ دل اُس سے مگر | کیا کروں حسرت کی نظروں سے نمایاں ہو گیا

اس سے پہلے آدمیت کب تری عادت میں تھی | بیٹھ کر رندوں میں زاہد تو بھی انساں ہو گیا

داغہائے دل مرے وہ رنگ لائے اے جنوں | خانۂ دل بھی مرا رشکِ گلستاں ہو گیا

دل گیا تو کیا ہوا اس کا نہیں ناصح ملال | ہم نے سب کچھ پا لیا جب وصلِ جاناں ہو گیا

اے حکیمِ شاعرِ شیریں بیاں فخرِ جہاں
شکر ہے اپنا بھی اک تیار دیواں ہو گیا

ذبح کے وقت بھی افسوس مچلنے نہ دیا
کوئی ارمان بھی صیّاد نکلنے نہ دیا

وائے تقدیر نہ مشکل ہوئی آساں کوئی
زہر بھی تو ہمیں ظالم نے نگلنے نہ دیا

سر اٹھایا تھا بہت فتنۂ محشر نے مگر
آپکی فتنہ خرامی نے سنبھلنے نہ دیا

خاک کرنے مرے احباب مداوا میرا
اے اجل تونے ہی جب مجھکو سنبھلنے نہ دیا

کچھ نہ پوچھو دلِ بیتاب کی حالت مجھسے
دستِ حسرت بھی کبھی چین سے ملنے نہ دیا

چار دن بھی تو فلک تونے، کہیں کیا ظالم
باغِ عالم میں ہمیں پھولنے پھلنے نہ دیا

اپنی رفتار سے آگے تو نکلنا کیسا
حشر کو چار قدم آپ نے چلنے نہ دیا

سُن تو وہ کیا دلِ آرام طلب کہتے ہیں
شمع کی طرح اسے آپنے جلنے نہ دیا

ضبط کا ایک بڑا مجھ پہ یہ احساں ہے حکیمؔ
کوئی شکوہ بھی مرے منہ سے نکلنے نہ دیا

دل نہ دیتے ہم تمہیں گر جانتے کھو جائیگا — کیا خبر تھی طالعِ بیدار بھی سو جائیگا

دیکھ لیگا ساتھ میرے حشر میں جو جائیگا — آہ سے فریاد سے کیا کیا مری ہو جائیگا

کس زمانہ کی فلک تجھکو تھی مجھ سے دشمنی — میں نہ سمجھا تھا کہ کانٹے عیش میں بو جائیگا

شکوۂ بیداد ذکرِ حشر پر کہتے ہیں وہ — اور جو کچھ حشر میں ہونا ہے وہ ہو جائیگا

دل جگر دونوں اداؤں پر تمہاری مرمٹے — گھر کے گھر کا آج کل میں خاتمہ ہو جائیگا

اور سنئے یہ جوابِ وصل میں لکھتے ہیں وہ — کیا تمہیں امید ہے مجھ سے کہ یہ ہو جائیگا

جب اجازت بزم سے جانیکی مانگی تو کہا — پہلے اپنے دل سے یہ تم پوچھ تو لو جائیگا

مجھ سے کہتے ہیں سنو اچھی نہیں یہ تاک جھانک — تم سے ہر اک شخص دیکھو بدگماں ہو جائیگا

حشر میں بھی کیا ہمیں امید ہو انصاف کی — جب یقیں یہ ہے خدا تیری طرف ہو جائیگا

میرے بچنے کی دعائیں مانگتے ہیں کس لئے — کام میرا نام انکا اے اجل ہو جائیگا

میں نے جب خود دل دیا تو ناز سے بولے حکیم
آپ رہنے دیں اسے ناحق کہیں کھو جائیگا

تو بلا سے نہو پنہاں، ترا ارماں ہوگا — خانۂ دل، نہ ستمگر کبھی ویراں ہوگا
خانۂ دل میں اگر تو مرے پنہاں ہوگا — مجھ پہ احسان ترا اے غمِ جاناں ہوگا
کبھی وہ دن بھی نصیب اے شبِ ہجراں ہوگا — میرے پہلو میں جو وہ دشمنِ ایماں ہوگا
یہ بتا دے جو مجھے تو، ترا احساں ہوگا — رحم بھی مجھ پہ کبھی گردشِ دوراں ہوگا
داورِ حشر تو اس ظلم کا پرساں ہوگا — حشر میں ہاتھ مرا آپ کا داماں ہوگا
کیا ملا عشق میں کیوں اے دلِ ناداں تجھکو — ہم نہ کہتے تھے کہ کمبخت پشیماں ہوگا
ترکِ اسلام کریں کیوں بُتِ کافر کیلئے — ہم بھی دل دیں گے اُسی کو جو مسلماں ہوگا
وہ جو چاہیں گے، وہ ہو جائیگا بیشک لیکن — تیرا چاہا نہ کہیں اے دلِ ناداں ہوگا
سچ تو یہ ہے بتِ بے درد ترے ملنے کا — کون سا دل ہے کہ جسمیں نہیں ارماں ہوگا
حالِ فرقت جو کہا اُن سے تو ہنس کر بولے — عشق کو آپ سمجھتے تھے کہ آساں ہوگا
وہ نہ آئیں گے، نہ آئیں شب وعدہ لیکن — اے اجل تو ہی چلی آ، ترا احساں ہوگا

اللہ اللہ یہ سخن اور مضامیں یہ حکیمؔ
ہم نہ کہتے تھے کہ تو صاحبِ دیواں ہوگا

بُتوں کا جو میں مبتلا ہو گیا — یہ کیا مجھ کو میرے خدا ہو گیا
حسینوں پہ اے دل فدا ہو گیا — تجھے بیٹھے بیٹھے یہ کیا ہو گیا
قیامت کی رفتار ہے تیری چال — کہ محشر میں محشر بپا ہو گیا
کیا جھوٹ ہے وعدہ گو آپ نے — مگر خیر کچھ آسرا ہو گیا
مجھے آپ سے کچھ شکایت نہیں — نوشتہ جو قسمت کا تھا ہو گیا
سرِ بزم واعظ یہ مے نوشیاں — تجھے کیا یہ مردِ خدا ہو گیا
شبِ وصل اُس بُت نے مجھسے کہا — جو تھا آپ کا مدعا ہو گیا
اُلجھتی ہے ہر بات پہ مُجھ سے تُو — یہ کیا تجھ کو زلفِ دوتا ہو گیا

غضب ہے دوا سے تری اے حکیم
مرا دردِ دل تو سوا ہو گیا

کہوں حکیم یہ کیونکر کسی گماں نے کیا
مجھے خموش مری لکنتِ[1] زباں نے کیا

بتاؤں کیا میں وہاں جا کے کیسی کیا گذری
ذرا بھی پاس نہ ظالم کے پاسباں نے کیا

وہ آئے بہرِ عیادت میں مر گیا افسوس
بڑا ستم یہ مری مرگِ ناگہاں نے کیا

وہ جاتے غیر کے گھر تھے یہاں چلے آئے
اثر یہ خوب ہی اے دل مری فغاں نے کیا

کسی کو مار ہی ڈالا "نہیں نہیں" کر کے
کسی کو زندہ ستمگر کے لفظ "ہاں" نے کیا

یہی سبب ہے جو آتی ہیں ہچکیاں مجھ کو
ضرور یاد مجھے آج میری جاں نے کیا

کہوں میں اسکے سوا کیا کہ بس خدا سمجھے
بہت ذلیل مجھے میرے رازداں نے کیا

یہ بھید کچھ نہیں کھلتا، رقیب کیوں چپ ہے
وگرنہ وصف ترا مجھسے اک جہاں نے کیا

تمہیں بتاؤ کہ دشمن کو اس قدر گستاخ
تمہارے منہ نے کیا یا مری زباں نے کیا

سنا ہی دی انہیں سب داستانِ غم میری
سلوک خوب مرے ساتھ قصہ خواں نے کیا

خدا کی شان کے صدقے کہ ان بتوں میں حکیم
ہمیں تو شاد شب و روز آسماں نے کیا

---

۱ حضرت قبلہ حکیم مصنف "آفتاب سخن" کی زبان میں لکنت تھی غالباً اشارہ فرمایا ہے۔

ظلم گو تو نے عمر بھر نہ کیا
پر جو کرنا تھا فتنہ گر نہ کیا

چارہ کرنا جو چاہیئے تھا تجھے
وہ ہی کمبخت چارہ گر نہ کیا

یہ تو مانا ! کہ کر لیا وعدہ
اور پورا جو فتنہ گر نہ کیا

کیا وفا ہے کہ ان جفاؤں پر
شکوۂ جور عمر بھر نہ کیا

ہر فرشتے کو یہ تمنّا ہے
مجھ کو اللہ نے بشر نہ کیا

خود ہی بدنام ہم ہوئے لیکن
تم کو رُسوا تو دربدر نہ کیا

شانِ "رحمت" سے ہے امید حکیمؔ
کام بخشش کا میں نے گر نہ کیا

حشر میں وہ فتنۂ محشر جدھر ہو جائے گا
اے دلِ بیتاب کیا تو بھی اُدھر ہو جائے گا

رفتہ رفتہ آہ میں پیدا اثر ہو جائے گا
ہوتے ہوتے مہرباں وہ فتنہ گر ہو جائے گا

میرے پہلو سے جُدا یہ دل اگر ہو جائے گا
ٹکڑے ٹکڑے صدمۂ غم سے جگر ہو جائے گا

جب کہا میں نے کہ فکرِ وصل کیجئے تو کہا
ایسی جلدی کیا ہے کچھ دن صبر کر ہو جائے گا

حضرتِ دل ہم نہ کہتے اس سے ہرگز رازِ عشق
جانتے گر یہ کہ ناصح رخنہ گر ہو جائے گا

پھر مرے پہلو سے اٹھتے ہو غضب کرتے ہو تم
پھر ترقی پر مرا دردِ جگر ہو جائے گا

قدر آئے گی انہیں میری وفا کی کب حکیم
عالمِ فانی سے جب میرا سفر ہو جائے گا

عنایتوں میں بھی شامل عتاب تو نے کیا — شبِ وصال جو ظالم حجاب تو نے کیا

غضب کیا کہ مجھے یوں خراب تو نے کیا — جلا جلا کے مری جاں کباب تو نے کیا

گنے ہزار دیئے مجھ کو صرف دو بوسے — یہ کس بلا کا مری جاں حساب تو نے کیا

یہ شئے تو وہ ہے کہ مشکل سے ہاتھ لگتی ہے — غضب کیا کہ جو دل کو خراب تو نے کیا

یہ تیری شانِ کریمی ہی تھی کہ محشر میں — گناہوں کا نہ مرے کچھ حساب تو نے کیا

پیامبر اگر اس نے سوال تجھ سے کیئے — بنا کسی کا ادا بھی جواب تو نے کیا

شبِ وصال وہ دل کھول کر ملے مجھ سے — بڑا ہی مجھ پہ یہ احسان شراب تو نے کیا

نظر کے سامنے آتا ہے کوئی پردہ نشیں — نگاہِ شوق اُسے بے حجاب تو نے کیا

شبِ فراق مری جان پر ہی بنوا دی — یہ کیا غضب دلِ خانہ خراب تو نے کیا

اگرچہ اُس کے گنہ بے شمار تھے یا رب
حکیمؔ پر کرمِ بے حساب تو نے کیا

جو کوچہ میں تیرے گذارا ہوا
ترا عشق پیدا دوبارا ہوا

غضب ہے کہ محشر میں بھی ہیر پھیر
خدا بھی ہوا تو تمہارا ہوا

وہ کہتے ہیں برباد تو نے کیا
مرا حُسن کیسا سنوارا ہوا

لڑائی ہے معشوق و عاشق کی کیا
جو مل بیٹھے غم دور سارا ہوا

رقیبوں سے محفل میں ظالم ترا
سمجھتا ہوں جو کچھ اشارا ہوا

دل و دیں بھی اپنا اُسے دے چکے
وہ کافر نہ لیکن ہمارا ہوا

محمدؐ ہیں وہ رہنما اے حکیمؔ
شفاعت کا جن سے سہارا ہوا

اقرارِ وصل یار سے جب ہو کے رہ گیا
اس وقت اے حکیمؔ غضب ہو کے رہ گیا

کہتے ہیں وعدہ وصل کا کب ہو کے رہ گیا
ایسا کبھی ہوا تھا جو اب ہو کے رہ گیا

عیش و سرور، رنج و تعب ہو کے رہ گیا
ہونا جو تھا نصیب میں سب ہو کے رہ گیا

افسوس ہے وہ وعدہ سے اپنے پلٹ گئے
اے رنج یوں خوشی کا سبب ہو کے رہ گیا

ناصح قسم خدا کی پئے وعدۂ وصال
خنداں کسی کا خواب میں لب ہو کے رہ گیا

آتے تو وہ ضرور شبِ وعدہ، ہو نہ ہو
تھمنے کا اُن کے کوئی سبب ہو کے رہ گیا

کیا بات ہے جو آپ کو چپ لگ گئی حکیمؔ
کیا ماجرا ہے کیوں یہ عجب ہو کے رہ گیا

کل مرا غیر سے مذکور رہا خوب ہوا
وہ پشیماں بُتِ مغرور رہا خوب ہوا

میں بھی مدت سے ہوں مشتاقِ شہادت قاتل
قتل میرا تجھے منظور ہوا خوب ہوا

مل گئی روز کے جلنے سے تڑپنے سے نجات
انتقالِ دلِ رنجور ہوا خوب ہوا

پوچھ لیتا ہے دمِ قتل تمنا دل کی
یہ جو قاتل ترا دستور ہوا خوب ہوا

میرے سینہ میں، کلیجہ میں، جگر میں، دل میں
آپ کے عشق کا ناسور ہوا خوب ہوا

اس صفائی کا بھلا ہو کہ مری جانب سے
رنج دل سے جو ترے دور ہوا خوب ہوا

حرم و دیر میں جس نے نہ دکھائی صورت
جلوہ فرما وہ سرِ طور ہوا خوب ہوا

سچ ہے محنت نہیں برباد کسی کی جاتی
کوہکن عشق میں مشہور ہوا خوب ہوا

شکر ہے اے بتِ کافر کہ حکیمؔ ناشاد
مژدۂ وصل سے مسرور ہوا خوب ہوا

آج اے نالۂ دل تیرا اثر دیکھ لیا
اُن کو تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر دیکھ لیا

کیا قیامت ہے سحرِ حشر یہ کہنے آئے
خیر ہو تم نے مجھے بھر کے نظر دیکھ لیا

اُن کی نظریں دلِ مشتاق کہے دیتی ہیں
دیکھتے تو نہیں مجھ کو وہ مگر دیکھ لیا

اللہ اللہ رے تری چشم کی شوخی ظالم
مرحبا بس وہ جسے ایک نظر دیکھ لیا

نہ شبِ ہجر ہی کٹتی ہے نہ وہ آتے ہیں
دل لگانے کا مزہ دیدۂ تر دیکھ لیا

ہو گئی حضرتِ دل اب تو تمنا پوری
نظرِ لطف سے ظالم نے ادھر دیکھ لیا

چشمِ الفت سے نہ دیکھا کبھی تم نے افسوس
ترچھی نظروں سے ہوا کیا مجھے گر دیکھ لیا

گردشِ چرخ کا کھٹکا نہیں مطلق اس کو
جس نے ظالم ترا اندازِ نظر دیکھ لیا

تجھ سے کمبخت گھڑی بھر کبھی آنسو نہ تھمے
خوب ہم نے تو تجھے دیدۂ تر دیکھ لیا

دمِ نزع عیادت کو مری آئے حکیم
شکر ہے میں نے انہیں وقتِ سفر دیکھ لیا

کسی کی ذات سے مجھ کو نہ تھا یقیں ایسا
خراب تجھ کو کرے گا دلِ حزیں ایسا

گھڑی گھڑی جو تجھے دیں تسلیاں اے دل
کہاں سے لاؤں شبِ ہجر ہم نشیں ایسا

دکھا کے مجھ کو وہ تصویر اپنی کہتے ہیں
لگائیں دل جو ہمیں بھی ملے حسیں ایسا

ہمارا ہو کے طرفدار بن گیا ان کا
سمجھتے تجھ کو نہ تھے ہم دلِ حزیں ایسا

دبائے بعدِ فنا کشتۂ نزاکت کو
نہیں نہیں تجھے لازم نہیں زمیں ایسا

ہجوم دیکھ کے عشاق کا وہ کہتے ہیں
خدا نے مجھ کو کیا ہائے کیوں حسیں ایسا

اُسی کو دشمنِ جاں تم کہو جو پیار کرے
طریقِ عشق میں دستور ہے کہیں ایسا

ترے نکلتے ہی منہ سے جہان جل جائے
غضب نہ ہو کہیں اے آہِ آتشیں ایسا

حکیمؔ روزِ جزا ہے بنا ئیے انصاف
غلط گماں ہے تمہارا کہ ہو نہیں ایسا

آزمانا ہے قیامت میں مقدر اپنا — دیکھئے ان کا ہو یا داورِ محشر اپنا
دیکھ اے بے خودیٔ شوق مقدر اپنا — زانوئے یار پہ صد شکر کہ ہے سر اپنا
تھا جو برگشتہ شبِ ہجر مقدر اپنا — منتوں سے بھی ہوا نہ وہ ستمگر اپنا
اور ہو سکتا ہے سچ ہے کوئی کیونکر اپنا — تو ہی کمبخت نہیں جب دلِ مضطر اپنا
داورِ حشر جو سنتا ہے علیحدہ سن لے — رازِ دل ہم نہ کہیں گے سرِ محشر اپنا
دستِ نازک کہیں دکھ جائیں نہ ڈر ہے مجھکو — قتل کو میرے مجھے دیجئے خنجر اپنا
منتوں پہ بھی ذرا رحم و کرم اب تو نہیں — کر لیا کس لئے دل آپ نے پتھر اپنا
یہی ارماں، یہی شوق، یہی حسرت ہے — آپ کے ساتھ قیامت میں ہو محشر اپنا
کون سنتا ہے ہماری کہ جسے سمجھائیں — دل ہی اپنا ہے الٰہی نہ وہ دلبر اپنا
کون دے اپنی گواہی جو کیا ہے تو نے — حشر میں کوئی نہیں فتنۂ محشر اپنا

یہ عجب طرزِ طلب ہے کہ وہ کہتے ہیں حکیمؔ
دل ہمیں دیجے ذرا سوچ سمجھ کر اپنا

میں کیا کہوں کہ ہجر میں کیا اضطراب تھا
آفت میں مبتلا، دلِ خانہ خراب تھا

اک مجھ غریب پر ہی تمہارا عتاب تھا
غیروں کے حال پر کرم بے حساب تھا

ظالم ضرور تجھ کو کوئی اضطراب تھا
کل جو کھلا ہوا ترا بندِ نقاب تھا

یہ کیا غضب کہ غیر سے محفل میں شوخیاں
ہم سے تو وصل میں بھی تمہیں کچھ حجاب تھا

ہر وقت تاک جھانک حسینوں کی تھی جسے
واعظ قسم خدا کی وہ عہدِ شباب تھا

کمبخت اُن کے سامنے چپ ہو کے رہ گیا
قاصد تمہیں کے واسطے حاضر جواب تھا

بربادیوں کا حال مری سُن کے کہہ گئے
ہم کیا کریں کہ تیرا مقدر خراب تھا

گو ہم ہزار چاہتے ملتا کہاں سے اور
تقدیر ہی میں جب دلِ خانہ خراب تھا

دینا تو تُو ضرور ہمارے سوال کا
ناصح مگر نہ یاد ہی تجھ کو جواب تھا

کرتا ہوں میں جو شکوۂ فرقت تو سُن کے وہ
کہتے ہیں کوئی بات نہیں انقلاب تھا

مے کش حکیم سا بھی نہ ہوگا جہان میں
ہاتھوں میں وقتِ نزع بھی جامِ شراب تھا

تم گلے مل گئے گلا نہ رہا　　دل میں اب کوئی مدعا نہ رہا
عہد میں تیرے اے بتِ کافر　　ایک بھی بندۂ خدا نہ رہا
تم سلامت رہو زمانے میں　　میرا کیا ہے رہا، رہا، نہ رہا
کیا غضب ہے کہ عشق و الفت میں　　دل پہ جو اختیار تھا نہ رہا
دیکھ لیتے ہیں دیکھنے والے　　تو چھپا تو مگر چھپا نہ رہا
رشک بھی کیا بلا ہے اے ظالم　　ایک کا ایک آشنا نہ رہا
شکر ہے اسکی بزم میں اے دل　　نہ رہا میں مرا فسانہ رہا
دے چکے ہم تو تجھ کو اے ظالم　　دل سے کچھ ہم کو واسطہ نہ رہا

کیا کریں اے حکیمؔ الفت میں
دل بھی کچھ اپنے کام کا نہ رہا

تجھ سے کہوں میں حالِ دلِ بےقرار کیا ۔۔۔ تکیہ کلام جب ہے ترا بار بار کیا
مانا کہ وہ نہ آئیں گے، اچھا نہ آئیں وہ ۔۔۔ آئے گی موت بھی نہ شبِ انتظار کیا
کیا قہر ہے کہ ایسے جو گھبرا رہی ہے تُو ۔۔۔ گذری ہے تجھ پہ اے نگہِ انتظار کیا
ہم دل جلے جلیں گے یونہی روزِ حشر تک ۔۔۔ دے گا ہمارا ساتھ چراغِ مزار کیا
افسوس! آپ یہ بھی ابھی جانتے نہیں ۔۔۔ کس کو عتاب کہتے ہیں، ہوتا ہے پیار کیا
مظلوم داد پائیں گے اُس روزِ فتنہ گر ۔۔۔ تُو جانتا نہیں کہ ہے روزِ شمار کیا
جو چاہتا ہے تُو وہ مقدر میں جب نہیں ۔۔۔ تا بہ پھر کروں دلِ امیدوار کیا
کہتے ہیں وہ کہ ہم سے چھپاؤ نہ حالِ دل ۔۔۔ ہوتا نہیں کسی کا کوئی رازدار کیا

ناصح کو رازدار بنایا نہ جائے گا
ایسے کا اے حکیم مجھے اعتبار کیا

کوئی مانے نہ مانے وہ ستمگر مان جائے گا
جہاں سے ساتھ میرے وصل کا ارمان جائے گا

بلا سے آپ گو ہر بات پر جھوٹی قسم کھائیں
ہمیں اس سے غرض کیا، آپ کا ایمان جائے گا

ابھی نا آشنا ہے وہ ستمگر، کیا گلہ کیجے
مگر اے حضرتِ دل، رفتہ رفتہ جان جائے گا

کوئی مانے تو کیا مانے فقط کہنے کی باتیں ہیں
رقیبِ روسیہ کیا آپ کے قربان جائے گا

یہ مانا جائے گا اُس بزم میں تو لاکھ بھیسوں سے
مگر اے نامہ بر وہ فتنہ گر پہچان جائے گا

شبِ فرقت بلانے سے اگر میرے نہیں آئے
اجل کمبخت کا بھی مفت میں احسان جائے گا

حکیم اچھا نہیں دنیا کے جھگڑوں میں پھنسا رہنا
نہ یہ سامان تیرے ساتھ اے نادان جائے گا

اہلِ محشر جو نہ انصاف ہمارا ہوگا
حشر بھی ہم کو یقیں ہے کہ دوبارا ہوگا

ظلم سہہ لیں گے ترا جو ستم آرا ہوگا
رشکِ دشمن نہ مگر ہم سے گوارا ہوگا

شوخیِ چشم نے تیری جسے مارا ہوگا
زندگی کا اُسے کیا خاک سہارا ہوگا

بے وفا دل سے کرو تم نہ وفا کی امید
جب ہمارا نہ ہوا، کب یہ تمہارا ہوگا

حضرتِ نوحؑ کا احساں تو وہی مانے گا
بحرِ الفت سے جسے پار اُتارا ہوگا

آپ کو ہم نہ بتائیں گے، نہ پوچھیں ہم سے
حشر میں آپ، یہ دعویٰ جو ہمارا ہوگا

ہدا نجد ہی وہاں رہ نہ سکے جب اپنے
خلد میں کہیے تو کیا اپنا گزارا ہوگا

کام آئے گا مصیبت میں کسی کے جو حکیم
دیکھ لینا وہی اللہ کو پیارا ہوگا

خود کہو گے دعویٰ یکتائی کا باطل ہو گیا ۔۔۔ دیکھنا جس وقت آئینہ مقابل ہو گیا

کیا ٹھکانا ہے مرے اس ضعف کا اے چارہ گر ۔۔۔ دو قدم کا راستہ کوسوں کی منزل ہو گیا

عشق و الفت کا مزہ جو کچھ بھی ہے سو دل سے ہے ۔۔۔ لطف ہی پھر کیا رہا جب کوئی بیدل ہو گیا

کیا غضب ہے ہجر میں مرنا بھی ہے اب تو محال ۔۔۔ کام جو آسان تھا، کمبخت مشکل ہو گیا

اے زہے قسمت کہ آ کر تیری بزمِ ناز میں ۔۔۔ جیتے جی عاشق ترا جنت میں داخل ہو گیا

کچھ خبر بھی ہے اداؤں پر تمہاری میری جاں ۔۔۔ جان کیوں صدقہ ہوئی قربان کیوں دل ہو گیا

واہ کیا دورِ زمانہ ہے کہ جس سے ہم نشیں ۔۔۔ آجکل تو عیب بھی فیشن میں داخل ہو گیا

دور جو رہتے تھے اب وہ پاس بیٹھے ہیں ترے ۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیا رنگِ محفل ہو گیا

دیکھ کر اُبھرا ہوا، بازوئے قاتل، مر مٹا ۔۔۔ قتل کا باعث مرے، اندازِ قاتل ہو گیا

ان میں خوبی کونسی ایسی ہے کچھ یہ تو بتا ۔۔۔ تو حسینوں پر دلِ ناداں جو مائل ہو گیا

کیوں ادائیں دیکھتے ہیں اپنی، آئینہ میں وہ ۔۔۔ ان اداؤں سے زمانہ اُن کی بسمل ہو گیا

اس محبت کا بُرا ہو، کیا کہوں، کیا حال ہے ۔۔۔ دعوئ ضبطِ فغاں بھی اب تو باطل ہو گیا

ہے یہ سب فیضِ جنابِ داغؔ کا باعث حکیم
تو جو فنِ شاعری میں فردِ کامل ہو گیا

سہتے سہتے صدمۂ غم اور کیا ہو جائے گا
رفتہ رفتہ آشنا نا آشنا ہو جائے گا

کیا کہوں اسکے سوا محشر میں کیا ہو جائے گا
دیکھ لے گا جو تمہیں، تم پر فدا ہو جائے گا

اس تری رفتار سے محشر میں کیا ہو جائے گا
اور محشر میں بھی اک محشر بپا ہو جائے گا

رکیے رکیے تھمیے تھمیے، ورنہ اے بندہ نواز
آپ کے جانے سے دردِ دل سوا ہو جائے گا

زاہدِ نافہم کو ہے ناز، اپنے زہد پر
ہم گنہگاروں پہ بھی فضلِ خدا ہو جائے گا

کیا قیامت ہے کہ عرضِ وصل پہ کہتے ہیں وہ
کیوں مرے جاتے ہو ٹھہرو تو ذرا ہو جائے گا

اُس کی طاعت ہم کریں اسکی ضرورت ہمکو کیا
توبہ توبہ کیا بتِ کافر خدا ہو جائے گا

قتلِ عاشق کے لئے حاجت ہے کیا تلوار کی
خنجرِ بُرّاں ترا، تیرِ ادا ہو جائے گا

ہجر کے صدمے اٹھاؤ تو سہی کچھ دن حکیم
ہوتے ہوتے یونہی وصلِ دلربا ہو جائے گا

ہمارا جلوۂ دیدار سے خاموش ہو جانا
بالفاظِ دگر تھا ہم نشیں بے ہوش ہو جانا

قیامت ہے، غضب ہے، شرم بھی تجھکو نہیں آتی
رقیبوں سے ترا محفل میں ہم آغوش ہو جانا

ستم دیکھو کہ ذکرِ مرگ پر کہتے ہیں وہ مجھ سے
تعجب ہے کہ جیتے جی سوارِ دوش ہو جانا

نہ کہیے آپ، لیکن آپ کو قاتل بتاتا ہے
ہمارا قتل ہونا، آپ کا روپوش ہو جانا

کسی کی بزم میں تیرا گذر ہو گرچہ اے قاصد
وہاں نادان بن کر تو سراپا گوش ہو جانا

سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ یہ بھی ماجرا کیا تھا
ہمارا ہوش میں آنا، ترا بے ہوش ہو جانا

دلِ بیتاب کو کیا صبر آتا جب قیامت تھا
ہمیں جلوہ دکھا کر آپ کا روپوش ہو جانا

تجھے معلوم ہے اے فتنہ گر اک چال تھی اسکی
تری محفل میں، قاصد کا عمداً بیہوش ہو جانا

زمانہ کیوں نہ اسکو دیکھتا جب اک تماشہ تھا
تری محفل میں، اپنا ہوش سے بیہوش ہو جانا

یہی کہیے کہ رعبِ حسن تھا ورنہ ترے آگے
حکیم خوش بیاں کا اس طرح خاموش ہو جانا

یہ خبر بھی ہے تمہیں تم کیا تھے اور کیا کر دیا
تم کو بیمارِ محبت نے مسیحا کر دیا

میری نادانی! کہ جو اُن سے کہا حالِ عدو
اُن کی نافہمی! کہ جو یہ راز افشا کر دیا

وصل میں کیسی حیا، یہ کیا غضب کی بات ہے
دیکھو دیکھو، تم نے پھر خونِ تمنا کر دیا

جو ہوا تیری بدولت، اے دلِ خانہ خراب
تیری بے تابی نے مجھ کو سب میں رسوا کر دیا

دیکھ لی بندہ نوازی، آپ کی، بندہ نواز
فیصلہ کرنا تھا کیا، اور آپ نے کیا کر دیا

جب کہا یہ آپ سے، بے جا کیا، اچھا نہیں
تو یہ فرمایا، ہمیں جو کچھ تھا کرنا، کر دیا

یہ ستم دیکھو، کہ ذکرِ غیر پہ کہتے ہیں وہ؟
اُس نے کیا نقصان بتاؤ تو تمہارا کر دیا

جب مرے اشعار سنتے ہیں، وہ کہتے ہیں حکیم
کیا خدا نے داغ کو پیدا دوبارہ کر دیا

ب

بیتابیوں سے میری وہ کیوں بدگماں ہے اب
اے ضعف مجھ میں ضبط کی طاقت کہاں ہے اب

احباب کو بتاؤں بھی کیا میں کہاں ہے اب
دل ہے مرا وہاں، وہ ستمگر جہاں ہے اب

گو تم چھپاؤ لاکھ، تمہیں جو گماں ہے اب
صورت سے صاف صاف مگر سب عیاں ہے اب

مرنے کے بعد ذکر ہر اِک نے کیا یہ کہا
تھا تو عجیب شخص، مگر وہ کہاں ہے اب

جتنے جفا جو رہے تھے، سب ختم ہو چکے
دل میں تمہارے اور بھی کچھ مہرباں ہے اب

مدت سے سر بکف ہوں اسی انتظار میں
یہ تو کہو زباں سے تمہارا امتحاں ہے اب

کہتے ہیں دیکھ کر ترے بیمار کو طبیب
دو، چار روز کا یہ فقط مہماں ہے اب

ہاں یہ وہی حکیم ہے سنتے تھے جس پہ آپ
فضلِ خدا سے، شاعرِ شیریں بیاں ہے اب

آپ نے مفت دل لیا، کیا خوب
اور اُس پر ہے یہ جفا، کیا خوب

آپ قاتل نہیں تو یہ کہیئے ؟
میں نے خونِ حنا کیا، کیا خوب

ہاتھ آنکھوں پہ رکھ لئے تم نے
وصل میں، اور یہ حیا، کیا خوب

کیا غضب ہے، کہ التجاؤں پر
مجھ کو کہتے ہو تم بُرا، کیا خوب

میرے قاصد سے وہ یہ کہتے ہیں
میں سنوں، اس کا مدعا، کیا خوب

کیا کہا ! اب کے پھر کہو تو سہی ؟
عاشقوں میں نہیں وفا، کیا خوب

ہیں خطائیں رقیب کی، لیکن ؟
اور مجھ سے ہو تم خفا، کیا خوب

کیا غضب ہے کہ حرفِ مطلب پہ
ہنس کے کہتے ہو واہ وا، کیا خوب

اپنی تصویر، دیکھ کر بولے ؟
اسکی شہرت ہے جابجا، کیا خوب

قصۂ غم سُنا، تو فرمایا ؟
عشق کا بھی ہے ماجرا، کیا خوب

مرضِ عشق ہے حکیم مجھے
آپ سے ہو مری دوا، کیا خوب

نالوں نے میرے دی وہ دہائی تمام شب
اُن کو حکیمؔ نیند نہ آئی تمام شب

ساعت نہ وصل کی کوئی آئی تمام شب
کرتے رہے وہ ذکرِ جدائی تمام شب

پوچھو نہ یہ کہ وعدہ کی شب گذری کس طرح
تم کیا نہ آئے نیند نہ آئی تمام شب

تعبیر کیا ہے اس کی، کہ دیکھا ہے خواب میں
واعظ کسی کا دستِ حنائی تمام شب

کیا چھیڑ ہے کہ دیکھئے ذکرِ فراق پر
بولے ہمیں بھی نیند نہ آئی تمام شب

پائے گا وصل کا بھی کبھی دل وہی مزہ
تکلیفِ ہجر جس نے اٹھائی تمام شب

شاہد ہے اس کی اے غمِ فرقت شبِ فراق
دم بھر نہ ہم نے آنکھ لگائی تمام شب

کچھ بھید تھا ضرور جو کل تو نے فتنہ گر
شمع نہ انجمن میں جلائی تمام شب

کچھ پوچھئے نہ حالِ شبِ وصل کا حکیمؔ
شکوؤں، گِلوں میں اس نے گنوائی تمام شب

پ

امید تھی دیکھیں گے مرا زخمِ جگر آپ
افسوس کہ اُٹھاتے بھی نہیں آنکھ اُدھر آپ

کیا کرتا دمِ نزع بھی آتے نہ اگر آپ
صد شکر چلو آ تو گئے، وقتِ سفر آپ

دیکھیں تو سہی چشمِ عنایت سے اِدھر آپ
پھر دیکھئے بھرتا ہے مرا زخمِ جگر آپ

چھپ چھپ کے ہی جب جاتے ہیں اغیار کے گھر آپ
کیا ہم سے ملائیں گے بھلا خاک نظر آپ

کہتے ہیں وہ ہرگز نہیں ہوگا، نہیں ہوگا
جس کی کہ "دعا" مانگتے ہیں شام و سحر آپ

کہنا ہے اگر میرا غلط، آئینہ دیکھیں
ہیں یا کہ نہیں جانِ جہاں رشکِ قمر آپ

مانگے سے کسی کو بھی ملا ہے جو ملے گا
ہوتا ہے غمِ ہجر دعاؤں میں اثر آپ

کیا آئینہ سے آپ کو کچھ شرم و حیا ہے
کیوں رکھتے ہیں ہاتھ بھلا وقتِ سحر آپ

کہتے تھے حکیمِ عشق ہے زلفوں کا قیامت
کمبخت بلا مول لی تو نے تو یہ سر آپ

بے طلب آ گئے مرے گھر آپ
دیکھئے تو مرا مقدر آپ

دیکھا بے تاب جب مجھے، تو کہا
کیا ہوا؟ کس لئے ہیں مضطر آپ

مسکنِ غیر کی تلاش ہے کیوں؟
میرے دل میں بنائیے گھر آپ

پیٹھ پیچھے کہا، وہ کیا کہنا
کہئے جو کچھ ہو کہنا منہ پر آپ

خیمہ ہو، عرصۂ قیامت میں
باندھ کر آئے تو ہیں خنجر آپ

غیر کیا، اس سے ہم بھی واقف ہیں
ہیں ہمارے لئے ستمگر آپ

مہرباں ہے حکیم وہ ظالم
ہیں تو تقدیر کے سکندر آپ

آج کیوں آئے مری جان اِدھر آپ سے آپ
کیوں ہوئی مجھ پہ عنایت کی نظر آپ سے آپ

کششِ عشق نہ کیوں کر ترے قرباں جاؤں
آ رہا ہے وہ ستمگر مرے گھر آپ سے آپ

اپنے سایہ سے کبھی ڈرتے ہیں، بچتے ہیں کبھی
کیا غضب ہے اُنہیں کیوں لگتا ہے ڈر آپ سے آپ

یا الٰہی! شبِ فرقت تو کٹی برسوں میں
ہو گئی وصل کی کیوں جلد سحر آپ سے آپ؟

آج اغیار سے کیوں ہوتی ہے کیا باعث ہے
میری تعریفِ بُتِ شعبدہ گر آپ سے آپ

جب میں جانوں کششِ عشق اسے کہتے ہیں
حضرتِ دل وہ چلے آئیں اگر آپ سے آپ

اُس کی محفل میں تو جانے کا مزہ جب ہے حکیم
کہ بُلائے مجھے وہ رشکِ قمر آپ سے آپ

بتوں کے نہ قدموں پہ سر رکھیے آپ | حکیم اُس خدا پہ نظر رکھیے آپ

وہ لکھتے ہیں خط میں یہ گستاخ ہے | کوئی دوسرا نامہ بر رکھیے آپ

مرے گھر کا رہنا جو دشوار ہے | مری جاں مجھے اپنے گھر رکھیے آپ

مرے دردِ دل کی شکایت پہ وہ | یہ بولے کوئی چارہ گر رکھیے آپ

یہی التجا ہے، یہی آرزو! | عنایت کی مجھ پہ نظر رکھیے آپ

رقیبوں کی عالت سے مطلب مجھے | مرے دردِ دل کی خبر رکھیے آپ

خوشی سے خدا کی قسم میری جاں | میں دیتا ہوں دل اور جگر رکھیے آپ

جفائیں تو کیجے، ہماری مگر! | وفائیں بھی مدِّ نظر رکھیے آپ

غضب تھا کسی کا یہ کہنا حکیم
رہیں گے خوشی سے اگر رکھیے آپ

ڈرتے ہیں کیوں مری جاں میرے دلِ مضطر سے آپ
ایسے کیوں بیزار ہیں، کہیئے تو اپنے گھر سے آپ

میں مریضِ عشق ہوں، اب تک نہیں تھی کیا خبر؟
آج مجھ کو دیکھ کر جو رہ گئے ششدر سے آپ

ہو نہ ہو وعدہ کسی سے ہو چکا ہے وصل کا
پھر رہے ہیں آج گھبرائے ہوئے مضطر سے آپ

ہاں خطا تھی، تو مری تھی، یا دلِ بیتاب کی
کیوں خفا ہیں یہ تو کہیئے میرے نامہ بر سے آپ

ہے نمونہ آپ ہی کی شوخیِ رفتار کا
کیا ڈریں گے سچ تو ہے ہنگامۂ محشر سے آپ

جب کہا میں نے کہ مجھ کو اشتیاقِ وصل ہے
جل کے بولے کاٹ لیں اپنا گلا خنجر سے آپ

کیا سبب ہے کس لیئے ابرو میں بل ہیں بے طرح
قتل کس کس کو کریں گے آج اس خنجر سے آپ

مرتے ہیں اُس سنگدل پر ہم، تو یہ کہتے ہیں لوگ
شیشۂ دل کو لڑاتے ہیں غضب پتھر سے آپ

چھیڑ دیکھو یہ کہا اُس نے سرِ محشر حکیم
کیا شکایت کیجئے گا داورِ محشر سے آپ

یہ گوارا ہے عیادت کو مری، آئیں نہ آپ
بندہ پرور، ساتھ غیروں کو نگر لائیں نہ آپ

بیٹھے، اٹھ کر، اس سے کیا، جیسے بھی آئے آ گئے
مان لوں احسان نہ اکت گا، اگر جائیں نہ آپ

خود بدولت ہی ہیں، کوئی دوسرا اس میں نہیں
دیکھ کر آئینہ اپنے دل میں شرمائیں نہ آپ

ذکر سُن کر مرے مرنے کا، خوش ہوتے تو ہیں
مجھ کو یہ غم ہے، کہ میرے بعد پچھتائیں نہ آپ

سُنتے سُنتے گالیاں، میرا کلیجہ پک گیا
بندہ پرور! اب تو مجھ پہ رحم فرمائیں نہ آپ

غیر سے ملنا ملانا، توبہ توبہ، کیا کہوں
اب خدا کے واسطے کچھ مجھ کو سمجھائیں نہ آپ

گو پریشاں ہوں، مگر اس وجہ سے، خوش ہوں حکیم
وہ تسلی کو مری، کہتے ہیں، گھبرائیں نہ آپ

یقیں ہے جو یوں خوں رلائے گی رات
کسی دن خوشی بھی دکھائے گی رات

الٰہی مجھے چھوڑ کر ہجر کی!
کبھی غیر کے گھر بھی جائے گی رات

نہ کہیئے خدا کے لئے وصل میں
کہ پھر جلد فرقت کی آئے گی رات

لگاتے نہ دل ہم اگر جانتے
بلا پر بلا روز لائے گی رات

شبِ وصل اون کو یہ رٹ لگ گئی
غضب ہو گیا اب نہ جائے گی رات

سنا لے مجھے خوب اے روزِ غم
کسی دن خوشی کی بھی آئے گی رات

شبِ وصل بھی یہ الم تھا حکیمؔ
کہ اب ہاتھ ایسی نہ آئے گی رات

کیا لطف ہو گر آپ ہوں بیمارِ محبت — دل میں ہے ہر دم خلشِ خارِ محبت
کہیے نہ مجھے دیکھیے بیمارِ محبت — اللہ نہ دے مجھ کو تو آزارِ محبت
کیا قہر و غضب ہے کہ خریدارِ محبت — پھرتے ہیں پریشاں سرِ بازارِ محبت
اے دل نہیں جب نام کہیں مہر و وفا کا — کیا ڈھونڈتے پھرتے ہیں طلبگارِ محبت
کہتی ہے مری جاں یہ تری زلفِ پریشاں — چھوٹے ہیں نہ چھوٹیں گے گرفتارِ محبت
آئے جو عیادت کو مجھے دیکھ کر بولے — اللہ شفا دے تجھے بیمارِ محبت
لڑتے ہیں بگڑتے ہیں مگر کہتے ہیں یہ بھی — کیا خوب مزہ دیتی ہے تکرارِ محبت
میں جب سے ہوں بیمار کسی کا یہ دعا ہے — دشمن بھی الٰہی نہ ہو بیمارِ محبت
جب جائیں گے محشر میں بتا دیجیے یہ تو — ہیں قابلِ بخشش بھی گنہگارِ محبت

مرتا ہے کسی پہ تو حکیم جگر افگار
پڑھتا ہے جو ہر وقت وہ اشعارِ محبت

اس شوخ ستمگر کی ہے رفتار قیامت — غمزے اگر آفت ہیں تو گفتار قیامت

برپا نہ کرے شوخیٔ رفتار قیامت — اٹھے گی تری چال سے سو بار قیامت

ہے منتظر شوخیٔ رفتار قیامت — قدموں سے لگی ہے تری آ یار قیامت

اللہ کو منظور اگر ہے تو کسی دن — ہم تجھ کو دکھا دینگے ستمگار قیامت

ہے خوف یہ محشر میں کہ اے داورِ محشر — برپا نہ کرے اور وہ رفتار قیامت

ہیں تجھکو اثر آہِ رسا کا تو دکھا دو — ہو جائیگی برپا مگر اے یار قیامت

خالی نہیں جاتی کسی مظلوم کی فریاد — سو بار اٹھائے لبِ دلدار قیامت

لو اور سنو کہتا ہے وہ فتنۂ محشر
ہوتے ہیں حکیم آپکے اشعار قیامت

آپ کیا میری جاں ہوئے رخصت
صبر و تاب و تواں ہوئے رخصت

میں نہ کہتا تھا کچھ اثر ہی نہیں
دیکھ وہ اے فغاں ہوئے رخصت

منہ سے نالے مرے نکلتے ہیں
طرفِ آسماں ہوئے رخصت

اے اجل تیرا ناس ہو جائے
کیسے کیسے جواں ہوئے رخصت

سحرِ وصل صبحِ محشر تھی
جب وہ وقتِ اذاں ہوئے رخصت

وصل میں سب نکل گئے ارماں
شکر ہے مہماں ہوئے رخصت

چھوڑ کر یوں حکیم کو بسمل
آپ بھی مہرباں ہوئے رخصت

کون کہتا ہے کامیاب بہت — عشق میں تو ہوئے خراب بہت

میری بربادیاں سنیں تو کہا! — ہیں زمانہ کے انقلاب بہت

جانے کیوں چپ ہوں ورنہ اے واعظ — ہیں تری بات کے جواب بہت

اون کی چتون ہی کاش کچھ کہدے — مجھکو کافی ہے وہ جواب بہت

دیکھ للہ ہم غریبوں پر — اے ستمگر نہ کر عتاب بہت

ہائے کہنا کسی کا خلوت میں — آپ کو کیوں تھا اضطراب بہت

ایسی جلدی بھی کیا ہے جانے کی — ہے ابھی تیز آفتاب بہت

درِ پیرِ مغاں پہ چل زاہد — ہم دلادیں تجھے ثواب بہت

مے کشو چھوڑ بھی دو مے نوشی — اسکے پینے میں ہے عذاب بہت

اور سنئے وہ مجھ سے کہتے ہیں — آپ کے ڈھنگ ہیں خراب بہت

اک نجومی نے یہ کہا ہے حکیم

آپ کے دن ہیں یہ خراب بہت

ط

وہ شوخ فتنہ گر جو لگائے نظر کی چوٹ
یارب مرے جگر سے نہ جائے نظر کی چوٹ

کیا لطف عاشقی تھا دکھائے نظر کی چوٹ
جب تک کہ خاک میں نہ ملائے نظر کی چوٹ

کوئی کسی کی آہ نہ کھائے نظر کی چوٹ
یارب کسی کے دل پہ نہ آئے نظر کی چوٹ

تیور بدل بدل کے وہ کہتے ہیں بار بار
آئے وہ سامنے جو بچائے نظر کی چوٹ

میرا ہی یہ جگر تھا جو سینہ سپر ہوا
دشمن کی کیا مجال جو کھائے نظر کی چوٹ

اس بات کا جواب کوئی خاک دے سکے
کہتے ہیں کیا ہے کوئی بتائے نظر کی چوٹ

معلوم ہو حقیقتِ دردِ جگر تجھے
میری طرح سے تو بھی جو کھائے نظر کی چوٹ

کہتے ہیں شرارت باندھ کے تیرِ نگاہ کی
دیکھو تمہارے دل پہ نہ آئے نظر کی چوٹ

جس کی نظر سے قتل ہوں اک پل میں سیکڑوں
اس کی نظر میں خاک سمائے نظر کی چوٹ

دیکھے نہ آئینہ کبھی اس بت کو اے حکیم
یہ خوف ہے کہ وہ بھی نہ کھائے نظر کی چوٹ

عشق کی کیا لگی ہے دل پہ چوٹ
ہے کسکتی یہ مجھ کو اکثر چوٹ

واقعی سچ ہے آپ کیسا جانیں
کیسی ہوتی ہے بندہ پرور چوٹ

تیرے تیرِ نظر کا کیا کہنا
جس کی آئی جگر سے دل پہ چوٹ

دردِ دل سے وہ خاک ہو واقف
جس نے کھائی نہ ہو ستمگر چوٹ

ہار پھولوں کا مار کر بولے
کیا لگے اس کی خاک پتھر چوٹ

نہ سہی گر جو میرا اعتبار نہیں
تجھ کو دل کی دکھاؤں کیونکر چوٹ

آدمی واقعی نہیں وہ حکیم
عشق کی ہو نہ جس کے دل پہ چوٹ

ہر بات پہ کہتا ہے بتِ ہوش رُبا جھوٹ
کیا لطف ہو ہو جائے اگر اسکا کہا جھوٹ

وہ اور بھلا آئیں یہ ہرگز نہیں ممکن
کہنا یہ سراسر ہے ترا بادِ صبا جھوٹ

اُلفت تو ہمیں واقعی اس بت سے ہے زاہد
ہم لاکھ میں بولیں نہ کبھی مردِ خدا جھوٹ

جب میں نے کہا تم شبِ وعدہ نہیں آئے
بولے اسی موقعہ پہ تو دیتے ہیں غرا جھوٹ

میں نے جو کیا وعدۂ اُلفت تو بگڑ کر
کس ناز سے اس شوخ نے جھٹ پٹ یہ کہا جھوٹ

اغیار کے احوال سے اب تو ہوئے واقف
سچ کہئے کہ کہنا تو ہمارا نہ ہوا جھوٹ

کیا کیجئے حکیم اب تو کوئی بن نہیں آتی
بت اور سرِ حشر کہیں پیشِ خدا جھوٹ

ث

یہ غصہ کیوں ہے مجھ پر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث
بتا تو دے ستمگر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

مری جاں کیا مرا گھر خانۂ دشمن سمجھتے ہو
نہ آئے کیوں مرے گھر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

بتاؤں میں تجھے کیا پوچھ تو مجھ سے نہ اے ہمدم
ہوا کیوں حال ابتر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

تجھے جس وقت سے دیکھا ہے حیراں ہیں پریشاں ہیں
مری جاں اہلِ محشر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

نہیں دیکھے کہیں بھی سنگدل تجھ سے زمانہ میں
ترا دل کیوں ہے پتھر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

قیامت ہے غضب ہے جان ہے پہلو میں تم میرے
نہیں رہتے ہو دم بھر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

کہو تو قتل کس کا آج ہے مدِ نظر تم کو
لئے پھرتے ہو خنجر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

غضب ہے تم سرِ محفل مجھے آنکھیں دکھاتے ہو
کہو تو بندہ پرور کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

حکیم اوس دشمنِ جاں سے ہیں بگڑی تو یہ کہئے
ہیں ایسے آپ مضطر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

بشکلِ تیغ ہیں کیوں ابروئے خمدار کیا باعث
جگہ آنکھوں پہ انکو کیوں ملی ہمسرکار کیا باعث

اگر الفت نہیں ہے مجھ سے تو سرکار کیا باعث
مجھے چھپ چھپ کے ہو کیوں دیکھتے سرکار کیا باعث

گلے تک بھی نہیں آتی مرے اے یار کیا باعث
کبھی ہنستی ہے مجھ سے کیوں تری تلوار کیا باعث

جدائی جان ہی ہیں نے نہ دل لیتے ہیں محبت کی
ہوئی جاتی ہے ترچھی کیوں نگاہِ یار کیا باعث

دمِ بسمل نہ مجھ سے پوچھ تو للہ اے قاتل
تری تلوار کو میں نے کیا کیوں پیار کیا باعث

وہ اسکو خاک سمجھیں خاک جانیں اے دلِ ناداں
کہ اچھی شکل کو کرتی ہے دنیا پیار کیا باعث

خدا شاہد ہے اسکا کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا !
کھنچا جاتا ہے پہلو سے دلِ بیمار کیا باعث

ترے اس عہد و پیماں پر یقیں آئے تو کیا آئے
زباں رکتی ہے ظالم کیوں دمِ گفتار کیا باعث

شرابِ حسن سے گر تو نہیں سرشار اے ظالم
بھلا پھر کیوں ہے مستانہ تری رفتار کیا باعث

تمہارے حسن کی شہرت ہے کیوں شکوہ کیا جاتا
بتا دینگے بھلا اسکا تمہیں اغیار کیا باعث

حکیم اوس نے زباں کاٹی نہ بدمستی میں گر تیری
یہ لکنت ہوتی ہے پھر کیوں دمِ گفتا کیا باعث

ج

بن ٹھن کے کہو تو سہی جاتے ہو کدھر آج
دیکھو کسی دشمن کی نہ لگ جائے نظر آج

مہماں ہے مرے گھر وہ بتِ شعبدہ گر آج
کچھ اور ہی نقشہ مجھے آتا ہے نظر آج

نالوں نے مرے یہ تو کیا خوب اثر آج
آیا بتِ بیدرد جو از خود مرے گھر آج

جو کچھ تجھے کرنا ہے خدا کے لئے کر آج
ہونا ہو جو ہو جائے بتِ شعبدہ گر آج

کیا خاک کہیں گذری ہے ہم پر جو ستمگر
فرقت میں تری ہم نے پیا خونِ جگر آج

کہہ دیجئے یہ نوحؑ سے ہو جائیں وہ ہشیار
طوفاں کی خبر دیتے ہیں یہ دیدۂ تر آج

سچ ہے کہ برا وقت برا ہوتا ہے اے دل
مجھ سے مرے احباب بھی کرتے ہیں حذر آج

وہ آئینگے ہاں آئینگے کچھ صبر تو کر شوق
کہتا ہے دعاؤں سے یہ مل مل کے اثر آج

کل پی بھی حکیم اتنی بھلا کس کے کہے سے
کمبخت جو بیٹھا ہے تو پکڑے ہوئے سر آج

تیغ ابرو ہے کبھی زلف پریشاں ہے آج
میں سمجھتا ہوں مرے قتل کا ساماں ہے آج

جور کر کے وہ ستمگر جو پشیماں ہے آج
جذبۂ الفت کا بڑا مجھ پہ یہ احساں ہے آج

کہئے اب کس سے کہوں حال پریشاں اپنا
زلفِ جاناں بھی مری طرح پریشاں ہے آج

آپ نے خوب دکھائی اسے صورت اپنی
دیکھئے دیکھئے آئینہ بھی حیراں ہے آج

یاد ہے وصل میں اس گل کا ادا سے کہنا
یہ کہو اور بھی باقی کوئی ارماں ہے آج

کیوں نہ اغیار کے منہ صدمۂ غم سے فق ہوں
میرے گھر جبکہ تو مہماں مری جاں ہے آج

نالۂ بلبلِ بیکس کا اثر تو دیکھو !
دام میں لا کے جو صیاد پشیماں ہے آج

کیوں نہ قربان ہوں میں اپنی گرفتاری پہ
وہ شہِ حسن مرا خود ہی نگہباں ہے آج

کیا ہوا خیر تو ہے کس لئے تو چپ ہے حکیم
سچ بتا کون ہے وہ جس کا تجھے دھیان ہے آج

کہتا ہے جذبِ شوق یہی بار بار آج
وہ آئینگے ضرور شبِ انتظار آج

سب پوچھتے ہیں مجھ سے یہی بار بار آج
کس کا ہے اے حکیم تجھے انتظار آج

دیکھیں نہ آپ سوئے فلک یار بار آج
چلئے چمن کو آج ہے لطفِ بہار آج

ظالم تو کس لئے ہے بھلا سوگوار آج
کیا مر گیا ترا کوئی امیدوار آج

قاتل نہ کیوں ہو قتل کی اپنے خوشی ہمیں
تلوار کو کرینگے تری ہم ہی پیار آج

مجھ کو یہ ڈر ہے آپ کہیں کل مکر نہ جائیں
جو کچھ کیا ہے آپ نے قول و قرار آج

تیرے مریضِ غم کو افاقہ ہے اس قدر
بیہوش تھا کل اور ہے کچھ ہوشیار آج

بوسہ ملا تو وصل کی امید بھی ہوئی
نکلا ہے تیرے دل کا مری جان غبار آج

کل تک تو تھی امید کسی گل سے وصل کی
مایوس ہو گیا دلِ امیدوار آج

تدبیر ہم کریں گے بتا تو ہی حکیم
کمبخت کس کی دھن میں ہے تو اشکبار آج

سچ

میں نے جو کہا کہ ہے بت ہوش رُبا سچ
بولا یہ بگڑ کر کہ کہے مہ سے ہی بلا سچ

سچ کہہ کے پشیمان ہوا بزمِ عدو میں
کیونکر نہ کہوں تجھ سے کہ ہو تیرا برا سچ

کہنے سے ہے کیا فائدہ خود دل میں سمجھ لو
جو کچھ بھی میں کہتا تھا مری جاں وہ ہوا سچ

وعدہ کیا پہلے تو کہا پھر یہ کسی نے
ہوتی ہے کوئی بات ہماری بھی بھلا سچ

اغیار کی بابت جو کہا آپ سے میں نے
اب آپ کریں جانچ کہ وہ جھوٹ ہے یا سچ

واعظ ترے اس وعظ کا کیا خاک یقیں ہو
تیری نہ کوئی بات ہوئی مردِ خدا سچ

کیا شوق ہے کیا ذوق ہے وہ پوچھتے ہیں
مانگی ہے حکیم آپ نے کیا کوئی دعا سچ

چ

کہو تو سہی بر ملا جھوٹ سچ
دکھاتی ہے پھر کیا مزا جھوٹ سچ

رقیبوں نے گو کہہ دیا جھوٹ سچ
مگر تو بھی تو آزما جھوٹ سچ

تمہیں بولنا ہے تو بولو، مگر
نہ بلوائے ہم سے خدا جھوٹ سچ

نہ مانو رقیبوں کا کہنا کبھی
مری جان جانچو ذرا جھوٹ سچ

غضب ہے قیامت ہے کیا کیجیے
ترے سامنے ہو گیا جھوٹ سچ

بر آئے مرا مدعائے دلی
اگر مانگ لو تم دعا جھوٹ سچ

مرا خون تم نے کیا ہے ضرور
یہ کہتی ہے کیا کچھ حنا جھوٹ سچ

شبِ وصل کا پوچھے اس سے حال
کہے گی نہ ہرگز حیا جھوٹ سچ

نہ انسان واقف ہوا کبھی تو کیا
مگر جانتا ہے خدا جھوٹ سچ

بجا ہے یہ کہنا ترا اے حکیم
ہوا ہے کہیں بھی بھلا جھوٹ سچ

ح

وہ پری دل میں جو آکر ہے ارماں کی طرح
خانۂ دل ہو مرا بزم سلیماں کی طرح

حسن وہ حسن جو ہو یوسف کنعاں کی طرح
ناز وہ ناز جو ہو اس شۂ خوباں کی طرح

حال وہ حال جو ہو زلف پریشاں کی طرح
چال وہ چال جو ہو کاکل پیچاں کی طرح

چھیڑ دیکھو کہ شب وصل بھی وہ کہتے ہیں
آج کی شب بھی گذارو شب ہجراں کی طرح

اے اجل تیری قسم خوب تو اِصبح ہوتی
کاش کمبخت تو آتی مرے ارماں کی طرح

جب سے وہ رشک چمن جلوہ فگن ہے دلمیں
ہم بیاباں کو سمجھتے ہیں گلستاں کی طرح

میں کلیجہ سے لگاؤں اسے دل میں رکھوں
تیر وہ تیر جو ہو ناوک مژگاں کی طرح

اللہ اللہ رے تری تیغ تغافل جس نے
دل مرا چاک کیا چاک گریباں کی طرح

واہ کیا خوب نکالے ہیں جفا کے انداز
شوخیاں قہر و غضب بیٹھے ہو ناداں کیطرح

جب کیا شیفتہ اس رشک پری کا یارب
کیوں مقدر نہ دیا مجھ کو سلیماں کی طرح

کوئی حسرت ہے نہ ارماں نہ تمنا اسمیں
اب تو یہ دل ہے مرا خانۂ ویراں کی طرح

دیکھو دیکھو نہ کہیں خوں ہو تمناؤں کا
وصل میں تم نہ کھچو یوسف کنعاں کی طرح

خیر ہو خیر کہ قاصد مرا اوس محفل میں
دیکھتا ہے نگہ یاس سے حیراں کی طرح

وصل میں مجھ سے وہ کہتے تھے یہ گھبرا کے حکیم
لوگ مہماں سے ملا کرتے ہیں مہماں کی طرح

حالِ فرقت وہ سُنیں گے گو فسانے کی طرح
قصّہ خواں، لیکن سُنانا، تو سُنانے کی طرح

اس ہجومِ ناامیدی کیا کہوں کیا حال ہے؟
یہ دلِ بے آبرو ہے، خشک دانے کی طرح

حضرتِ دل اس کے لطف و مہر کا کیا ٹھیک ہے
آنکھ ظالم کی بدلتی ہے زمانے کی طرح

شاد ہو جائیں گے وہ، سُنائیگا جو تو اے قصّہ خواں
کوئی بھی قصّہ نہیں اپنے فسانے کی طرح

مہربانی بھی نگاہِ ناز کی اچھی نہیں
اُڑ گیا لو مُفت میرا دل نشانے کی طرح

کیا الم خورشیدِ محشر کا ہو اے دل روزِ حشر
ابرِ رحمت چھا گیا جب شامیانے کی طرح

سُن کے مجھ سے عشق کا مذکور فرماتے ہیں وہ
سیکھیے تو آپ پہلے دل لگانے کی طرح

چار تنکوں میں رکھا ہی، برق کیا، یہ تو بتا
خانۂ صیّاد پر گر، آشیانے کی طرح

واقعی اُلفت سے تم واقف نہیں ہو اے حکیم
دردِ دل افسوس سُنتے ہو فسانے کی طرح

خ

بلا سے ہیں اگر اغیار گستاخ! — نہیں ہوں میں تو اے سرکار گستاخ
کہیں بزمِ عدو میں کچھ نہ کہہ دے — خدایا ہے زبانِ یار، گستاخ
ذرا سوچو، کہے گا کیا زمانہ — بھلا تم، اور یہ گفتار گستاخ
خطا کچھ بھی نہیں تیری، مجھے تو — رقیبوں نے کیا اے یار گستاخ
ادب کا نام مٹ جائے جہاں سے — اگر ہوں آپ سے دو چار گستاخ
ہیں یہ پہلے گالیاں پیچھے کوئی بات — ملا ہے ہمکو ایسا یار، گستاخ

حکیم ہے اور شغلِ مے ہے واعظ
لکھے پھر کیوں نہ وہ اشعار گستاخ

کیا ہوگا زمانہ میں کوئی، تجھ سے سوا شوخ
تو شوخ، نظر شوخ، تری شرم و حیا شوخ

تو اس سے سوا شوخ ہے، یہ تجھ سے سوا شوخ
گھر تو دلِ مضطر میں مرے اپنا بنا شوخ

معشوق مقدر سے مجھے تم سا ملا شوخ
کیونکر نہ بھلا پھر ہو مرا رنگِ وفا شوخ

کیوں دل نہ زمانہ دے ترے جلوہ جفا پر
تجھ سے بھی زیادہ ہے مرا رنگِ وفا شوخ

میں تجھ کو دکھاتا دلِ مضطر کا تڑپنا
لیکن تو شبِ غم نہ مرے پاس ہوا شوخ

کیا بات ہے کیوں ہوتی ہے اب میری خوشامد
آئے کل تھا مرے پاس وہ ہیں دے ہی بچا شوخ

ملتی ہے اسے نام سے فرقت میں تسلی!
ہم نے دلِ بیتاب کا یوں نام رکھا شوخ

تو اور نہ دشمن سے ملے، تجھ سے نہ ہوگا!
میں خوب سمجھتا ہوں، یہ باتیں نہ بنا شوخ

بچپن میں تو بھولے تھے، بہت سیدھے تھے لیکن
آتے ہی جوانی وہ ہوئے شانِ خدا شوخ

فرماتے ہیں، اس کا تو مجھے بھی ہے بڑا ناز
میں شوخ، اور شوخ مری طرزِ حیا شوخ

کہتے ہیں شبِ وصل وہ مجھ سے لپٹ کر
ایسی ہے زمانہ میں کسی کی بھی حیا شوخ

پہلو میں رہا کرتا ہے اک شوخ ہمیشہ
کیونکر نہ حکیم آپ کی ہو طبعِ رسا شوخ

د

زندگی میں جو نہ آئے وعدہ فرمانے کے بعد
وہ لحد پر آئیں گے کیا میرے مر جانے کے بعد

وہ مری میت پہ آئے جبکہ مر جانے کے بعد
روح کیا کیا ہائے بھٹکے ہے نکل جانے کے بعد

کہہ گیا ظالم ہماری قبر پر آنے کے بعد
قدر تیری ہائے اب آئی ہے مر جانے کے بعد

واہ ری الفت کئے برباد تو نے دونوں گھر
مر گیا فرہاد شیریں کی خبر پانے کے بعد

اے خیال یار تو بھی بے وفا اب ہے چلا
جو چلا جاتا ہے میرے دل میں پھر آنے کے بعد

ظلم کرتا ہے مگر ظالم سمجھ لے یہ بھی تو!
کل نہیں پاتا کسی کو کوئی کلپانے کے بعد

آپ نے وعدہ کوئی پورا کیا بھی میر جان
خاک لیتیں ہو مجھے کہتے تو سمجھانے کے بعد

سوئے ہیں آرام سے ہم قبر میں پھیلا کے پاؤں
عیش کے دن آئے بھی تو آئے مر جانے کے بعد

بادۂ گلرنگ سے کر مست اے ساقی مجھے
مدتوں میں آج پیتا ہوں قسم کھانے کے بعد

ہے جوانی کچھ تو دے ڈالیں زکوٰۃِ حسن آپ
پھول پھر بیکار ہو جاتے ہیں مرجھانیکے بعد

زندگی بھر کیا رہوں میں حشر تک ممنوں ترا
اے نزاکت کاش پھر جائیں نہ وہ آنیکے بعد

اس ادائے دلربا پر انکی پیار آہی گیا
نیچی نظریں ہوگئیں جب انکے شرمانے کے بعد

یہ تباہی جیتے جی تو میں اسکو گوارا کر بھی لوں
کیا ملیگا آپ کو یوں میرے تڑپانے کے بعد

کام انسان جب کرے انجام پہلا سوچ لے
تیر واپس آ نہیں سکتا ہے چلجانیکے بعد

داستانِ ہجر نے وہ طول کھینچا حشر تک
ایک کی نوبت نہ آئی میرے افسانے کے بعد

جذبۂ دل کھینچ کر اس شوخ کو لایا حکیمؔ
صورتِ شادی نظر آئی ہے غم کھانیکے بعد

کیوں وصل کی شب تم کو ہنسی نہ بھلایا | بھولو گے اگر تم، تو دلائے گی حیا یاد
بت خانہ رہا یاد، نہ کعبہ، نہ خدا یاد | جس وقت سے آئی تری مستانہ ادا یاد
ہاں ہاں مری جاں آپ کہیں گے مجھے کیا یاد | کرتا ہے کسی کو بھی کوئی بعد فنا یاد
میں نے جو کہا آپ نے مجھ کو نہ کیا یاد | بوسہ یہ بگڑ کر کہ کرے میری بلا یاد
گو تم کو ابھی قدر نہیں ہے، نہ ہو لیکن | آئے گی مرے بعد، تمہیں میری وفا یاد
ہے سہو کی عادت تمہیں، تم بھول نہ جانا | وعدہ جو کیا ہے، اسے رکھنا بھی ذرا یاد
اے پیر فلک کب یہ طریقہ ہے جفا کا | اس شوخ ستمگار سے کر، طرز جفا یاد
اے واعظ ناداں، مجھے کافر نہ بتا تو | رہتا ہے کہیں عشق بتاں میں بھی خدا یاد
بیداد و ستم کرکے، ستاتا تو ہے مجھ کو! | آئے گی مرے بعد تجھے میری وفا یاد!
دیکھا جو مجھے ہاتھ اٹھاتے سر محفل | فرمایا کہ کر لیجیے کوئی ہم سے دعا یاد
اک حشر بپا تھا کہا، دم رخصت یہ کسی کا | ہم بھول بھی جائیں تو رہے تم کو خدا یاد
اب کھیل سمجھتے ہو، مگر دیکھ بھی لینا | آئے گی مرے بعد تمہیں میری وفا یاد

عاشق تھا حکیم آپ کا کیا شاعر بے مثل
افسوس ہے اک شعر بھی اس کا نہ رہا یاد

کیا عمر بھر رہیگا پیام و سلام بند
رہتا نہیں حکیمؔ زمانہ کا کام بند

میکش ہوں میں بھی بادہ کش و محتسب نہیں
ساقی نے ہائے کر دیا کیوں' دورِ جام بند

اُس بے وفا سے ناصحِ مشفق! غلط نہ جان
مدت سے ہو گیا ہے پیام و سلام بند

کیا بات ہے بتاؤ تو، تم کو مری قسم
دروازہ گھر کا رکھتے ہو تم کیوں مدام بند

گو وہ کریں گے بات کریں، ہو ہی جائے گا
اے نامہ بر رہا ہے کسی کا بھی کام بند

یہ جسمِ زار، اس لئے بیکار ہو گیا
تیغِ الم نے کھول دیئے ہیں تمام بند

خلوت میں جب سے آنے لگا ہے حیا حکیمؔ
دروازے گھر کے جلد کر و تم تمام بند!

ڈ

کیوں ہے تجھ کو چار دن کی زندگانی پر گھمنڈ
اُف خدا سمجھے یہ کافر نوجوانی پر گھمنڈ

تیغ قاتل کر نہ تو اتنا روانی پر گھمنڈ
سخت جانوں کو ہے اپنی سخت جانی پر گھمنڈ

جب نگاہیں کہہ رہی ہیں یہ کسی کی بھی نہیں
حضرتِ دل کیا ہو ان کی مہربانی پر گھمنڈ

جانتا ہوں وصل کی شب ہے مگر اے شوقِ وصل
کیا کروں میں ایک شب کی شادمانی پر گھمنڈ

حضرتِ دل ہر گھڑی یہ چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں
اسقدر کیجئے نہ ان کی مہربانی پر گھمنڈ

جب گرا ہوں ضعف سے اُس نے اٹھایا ہے مجھے
ہو نہ کیوں کر مجھ کو اپنی ناتوانی پر گھمنڈ

آئینہ دیکھا تو وہ دل تھام کے کہنے لگے
کیوں نہ ہو اُس حسن پہ اس نوجوانی پر گھمنڈ

کچھ نشاں بھی تو نہیں فرعون و قارون کا کہیں
کس لئے تھا پھر انہیں دنیائے فانی پر گھمنڈ

واقعی ایسا ہی شاعر ہے حکیم خوش بیاں
اُس کا کچھ بیجا نہیں ہے خوش بیانی پر گھمنڈ

چار دن کو نہیں ضرور گھمنڈ
دیکھیے، چھوڑیئے، غرور گھمنڈ

ہوں سراپا گناہ گار، مگر!
ہے تجھی پہ مرے غفور، گھمنڈ

کس قیامت کی شان رکھتا ہے
اُن کا وہ ناز، وہ غرور گھمنڈ

ایک کیا ہیں، ہزار ہا تم سے
دل سے کیجے یہ اپنے دور گھمنڈ

میری دانست میں تو بے جا ہے
حُسن پر، اور رشکِ حُور گھمنڈ

جو ہیں مجھ سے نیاز مند حکیم!
اُن سے رہتا ہے دُور دور گھمنڈ!

ذ

خود بخود پہنچے خط وصل کا اڑ کر کاغذ
حضرتِ دل اگر ہو جائیں کبوتر کاغذ

نامہ بر! میں اُسے تعویذ بنا کر رکھوں
ان کا لکھا اگر آ جائے میسّر کاغذ

خط پہ خط غیر کو بھجاتے ہیں ہزاروں لیکن
مجھ کو سادہ بھی نہ بھیجا بتِ خودسر کاغذ

کچھ نہ کچھ میں اسی کمبخت پہ لکھ دوں انکو
کاش ہو جائے الٰہی دلِ مضطر کاغذ

کیا لکھوں آہ میں خط ان کو بقول ناسخ
نہ سیاہی نہ قلم ہے، نہ میسر کاغذ

اسمیں جو کچھ بھی نہ مٹا ہے، نہ مٹے
وہ ہے قدرت کا مری جاں ہے مقدر کاغذ

سادگی اور صفائی ہے طبیعت میں ضرور
بھیجتے ورنہ وہ، وہ مجھے کیونکر کاغذ

کچھ جنوں ہے کہ مرض ہے بتاؤ تو حکیم
پھاڑ کر پھینک دیا کرتے ہو اکثر کاغذ

نہ ہوا ان پہ کچھ اثر تعویذ — لگ گئی کیا تجھے نظر تعویذ

پاس اپنے نظر گزر کیلئے — کیوں نہ رکھے وہ فتنہ گر تعویذ

وائے قسمت کہ بعد مردن بھی — نہ بنا میری قبر پر تعویذ

کیوں رکھا کرتے ہیں بتا تو سہی! — تیرے سینہ پہ فتنہ گر تعویذ

تھی تو امید حضرتِ دل کو — کام آیا نہ کچھ مگر تعویذ!

ہاتھ پر میرے دیکھ کر بولے — دیکھیے کیا کرے اثر تعویذ

جب میں جانوں کہ پُر اثر ہے ضرور — کہ کرے اس کے دل میں گھر تعویذ

ہو شفا مجھ کو نام سے اس کے — گھول کر دیں، جو چارہ گر تعویذ!

وصل اُس حور وش سے جب ہو حکیم
ہاتھ آئے کوئی، اگر تعویذ!

خموشی رازِ دل کہہ دے گی جب ہم ہم فغاں ہو کر
تو پھر کیا فائدہ رہنے سے میرے بے زباں ہو کر

رہے ہو خانۂ دل میں مرے مجھ سے نہاں ہو کر
مجھ ہی سے اسقدر پردہ تم ہے میری جاں ہو کر

تمہارے عشق اور جوشِ جنوں کی یہ عنایت ہے
گریباں ہو گیا ہے دیکھ لیجئے دھجیاں ہو کر

رقیبوں کی گلی تھی رہزنوں کا پُر خطر کوچہ
غضب تم نے کیا کہ آئے ہو تم بھی کہاں ہو کر

مری تقدیر کی برگشتگی سے بعدِ مردن بھی
زمینِ قبر کیا کیا رنگ لائی آسماں ہو کر

بیابانی ہو کے یہ بھی مرے آگے سے جا نکلے ہیں
صبا کمبخت کو بھی موت آئی در بیاباں ہو کر

قسم ہے تیرے سر کی میں نہ کرتا گر خبر ہوتی
وفائیں جائینگی الفت میں تیری رائگاں ہو کر

تمہاری کم سنی ہی فتنۂ محشر کا عالم تھا
اٹھائی بھی قیامت تو اٹھائی کیا جواں ہو کر

قسم ہے داورِ محشر کی کچھ شکوہ نہیں تم سے
مقدر ہے کہ دشمن ہو گئے تم مہرباں ہو کر

اگر تو واقفِ رمزِ حقیقی ہو تو کچھ سمجھے!
حلیم ہم نے نشاں پایا کسی کا بے نشاں ہو کر

تری بزم سے آتے گو ہم نکل کر — مگر رہ گئے حضرتِ دل مچل کر

ذرا چشمِ گریاں میں آنا سنبھل کر — کہیں گر نہ پڑنا مری جاں پھسل کر

ترا شکوہ کیا آئے لب سے نکل کر — خدا جانے تو کیا کرے اور جل کر

رہِ عشق میں کیا کہیں گرتے گرتے — بفضلِ خدا رہ گئے کچھ سنبھل کر

یہ کیا ماجرا ہے کہ محشر میں یارب — مجھے دیکھتے ہیں وہ چتون بدل کر

چلے جاؤ گے پاس سے تو یہ مانا — مگر جاؤ گے دل سے کیونکر نکل کر

قیامت کے دم سے بڑی خیر گزری — کہ وہ رہ گئے دو قدم صرف چل کر

مجھے تیری رحمت نے بخشا ہی یارب — مگر کیوں عبث ہم ہوا خاک جل کر

ہجومِ الم اور تیری تمنّا! — بڑی ہے مصیبت نکلنا زدوں سے یکلکر

خدا کے لئے دیکھ اے زلفِ جاناں — فلک کی طرح تو بھی مجھ سے نہ بلکر

رہے یادگارِ زمانہ حکیمؔ
کوئی آج تصنیف ایسی غزل کر

آپ کیوں جائیں مجھے بیمارِ ہجراں چھوڑ کر
کوئی جاتا ہے کسی کو بھی پریشاں چھوڑ کر

جب کہا یہ میں نے تم کب آؤ گے جاتے ہوئے
وہ رخِ روشن پہ اپنی زلفِ پیچاں چھوڑ کر

عمر بھر پچھتائیگا سمجھائے دیتا ہوں تجھے
دیکھ اے وحشت جنوں میں گر گیا بیاباں چھوڑ کر

ناصحِ ناداں درِ جاناں میں چھوڑوں کس طرح
جائیں کعبہ کو بھلا کیونکر مسلماں چھوڑ کر!

اس دلِ آشفتہ کو ہے آشفتہ کرنے کیلئے
آئے رخساروں پہ وہ زلفِ پریشاں چھوڑ کر

جاں بلب ہوں نزع کا عالم ہے دم لیتے ذرا
اُف چلے کس وقت تم مجھ کو مریضِ جاں چھوڑ کر

باوفا مجھ سا اُسے ملنا کہیں ممکن نہیں
جائے مجھ کو کس طرح پھر عشقِ جاناں چھوڑ کر

حضرتِ دل واقعی مجھ سے حماقت ہو گئی
آج تک پچھتا رہا ہوں اُن کا داماں چھوڑ کر

کیا دھرا ہے ہیچ تو یہ ہے یار اپنے اے حکیم
یادگار اپنی ہم جائیں گے "دیواں" چھوڑ کر

یہ خوب نکالی ہے نئی تم نے ادا اور
ہوتے ہو مری جان منانے سے خفا اور

کیوں ہوں ترے کوچہ کی بہاریں نہ بھلا اور
ہے اُس کی ہوا اور، زمانہ کی ہوا اور

ہر چند تمہیں وصل سے ہی غیر کے انکار
کہتی ہے سُنو تو یہی کیا شرم و حیا اور

کیا تجھ سے کہوں، سجدہ کیا کیوں کسی بُت کو
بس یہ تو سمجھتا ہوں کہ زاہد ہے خدا اور

چاہا جو کیا، یا نہ کیا، غم نہیں لیکن
افسوس تو اس کا ہے کہا اور کیا اور

اے پیر فلک، بھول گیا کیوں مجھے ظالم
یا میرے مقدر کی نہیں کوئی جفا نہیں

کہنا یہ شب وصل کسی شوخ کا ہنس کر
کیا ہے کوئی ارمان تجھے اس کے سوا اور

کیوں دُختر رز پہ ہے فدا زاہد ناداں
کیا کوئی زمانہ میں نہیں مردِ خدا اور

انصاف بھی دنیا سے نرالا ہے کسی کا!
مُجرم ہو کوئی اور، مگر پائے سزا اور

قسمت سے ہی لاچار حکیم جگر افگار!
اُمید تھی کچھ اور مقدر سے ہوا اور

ابر دن رات رہا کرتا ہے میخواروں پر
دیکھ واعظ کہ یہ رحمت ہے گنہگاروں پر

رحم کرتے ہیں مریجانِ وفاداروں پر
دیکھو دیکھو نہ لٹاؤ مجھے انگاروں پر

حضرتِ عشق چھپائے سے کہیں چھپتے ہیں
ہو گیا راز جو پنہاں تھا عیاں یاروں پر

اس ترے ابرِ کریمی کے میں صدقے یارب
واہ کیا رحمتِ بارش ہے گنہگاروں پر

یہ تو کہیے کیسے گن گن کے دیتے ہیں بوسے
ہیں جو گنتی کے نشاں نازنیں رخساروں پر

کیا اسی برتے پہ وعدہ ہے مسیحائی کا!
اس قدر اور مصیبت ہے ترے بیماروں پر

قتلِ عشاق کو جب تیغِ ادا ہے کافی
کیوں نگاہیں ہیں ستمگر تری تلواروں پر

روزِ محشر کا انہیں خوف و خطر ہو کیونکر
جب الٰہی تری رحمت ہے گنہگاروں پر

شکوۂ جور و جفا کیجیے ہم سے نہ حکیم
آپ کیوں مرنے کو بیٹھے تھے جفاکاروں پر

ڑ

ہر گھڑی اچھی نہیں رنج و بلا کی چھیڑ چھاڑ
دیکھ پھر تُو نے وہی زُلفِ دوتا کی چھیڑ چھاڑ

بن گئی، تو بن گئی، بس اب تو دم پر بن گئی
حضرتِ دل دیکھ لی زُلفِ دوتا کی چھیڑ چھاڑ

آپ کیوں ناراض ہیں، کوئی خطا بھی ہو مری
بندہ پرور یہ تو کہیے میں نے کیا کی چھیڑ چھاڑ

الاماں اے حضرتِ دل ہوش میں آؤ ذرا
اُس ستمگر نے نکالی پھر جفا کی چھیڑ چھاڑ

دل تو دل میرا جگر بھی، ہائے زخمی ہو گیا
کیا قیامت تھی ترے تیرِ ادا کی چھیڑ چھاڑ

کیا غضب ہے پھر تمنّا کا مری خوں ہو گیا
وصل میں کیجے نہ بس شرم و حیا کی چھیڑ چھاڑ

ظلم کا تو نام بھی تم عمر بھر مُنہ سے نہ لو
دیکھ لو آنکھوں سے گر رسمِ وفا کی چھیڑ چھاڑ

شوخیاں کہتی ہیں ہنس ہنس کر کسی کے وصل میں
تُو ہی جانے گی اگر شرم و حیا کی چھیڑ چھاڑ

عرصۂ محشر ہے۔ یہ دُنیا نہیں ہے۔ اے حکیم
آفتیں ٹوٹیں گی جو اُن سے ذرا کی چھیڑ چھاڑ

کس طرح دوں حکیم میں اپنے وطن کو چھوڑ
ممکن ہی یہ نہیں کہ زباں دے دہن کو چھوڑ

آئی شبِ وصال جو لب پر میری فغاں
بولے کہ اب تو عادتِ رنج و محن کو چھوڑ

اٹھتی نہیں ہیں ہجر کی اب مجھ سے سختیاں
جھٹ پٹ خدا کے واسطے، اے روح تن کو چھوڑ

جب یہ کہا کہ ظلم نہ کیجے، تو یہ کہا؟
دیتا ہے کوئی بھی کہیں رسمِ کہن کو چھوڑ

اللہ رے عشق جس کی یہ تاکید دمبدم
شیریں نہ تا بمرگ، مگر، کوہکن کو چھوڑ

تو خلعتِ رقیب میں جو چاہے دے مگر
میرے بھی واسطے کوئی چادر کفن کو چھوڑ

کہتی ہے فکرِ نظم، یہ طبعِ رسا مری
ہرگز نہ اے حکیم تو مشقِ سخن کو چھوڑ

ز

قتل ہر شخص ہوا جاتا ہے سُن کر آواز
ہو گئی اب تو ستمگر تری خنجر آواز

پُر ستم آتی ہے ظالم تری اکثر آواز
تُو تو تُو ، تجھ سے زیادہ ہے ستمگر آواز

دل تڑپ جاتا ہے ہر شخص کا سن کر آواز
کس قدر شوخ ہے تیری بھی ستمگر آواز

کون ہے ، کس کی ہے ، آتی ہے کدھر سے اے دل
غور سے سُن تو سہی تو یہ مکرّر آواز

شوق سے کان لگا کر جو سُنیں آپ اپنے
پھر ہو معلوم کہ دل لیتی ہے کیونکر آواز

آہ و فریاد نہ کر ، ہجر میں سُن لینے دے
کون دیتا ہے مجھے اے دلِ مضطر آواز

ہائے کہنا یہ دمِ قتل مرے قاتل کا
لطف کیا ہے کہ جو نکلے تہِ خنجر آواز

مر رہی ۔ آج کہاں ، جا کے قیامت اے دل
دے رہا ہے جسے ہنگامۂ محشر آواز

وہ نہ آئیں گے ۔ نہ آئیں ، شبِ وعدہ لیکن
دے اجل کو ہی ذرا اے دلِ مضطر آواز

ہجر میں مَیں نے نہ کی آہ و فغاں تو بولے
آج آتی نہیں کمبخت کی کیونکر آواز

لاکھ صورت کو چھپاؤ گے یہ مانا لیکن
لوگ پہچان ہی لیں گے سرِ محشر آواز

جب وہ بُت ہے تو پڑھے خاک کسی کا کلمہ
حضرتِ دل کہیں دیتے بھی ہیں پتھر آواز

شرم ہے سامنے آنے میں اگر اُس کو حکیم
ہم کو پردے سے سُنا دے وہ ستمگر آواز

ہے تری کیا کاکلِ پیچاں دراز
اس سے زائد ہے شبِ ہجراں دراز

کیا اُٹھے وہ چُپ پڑی ہے شرم سے
ہے قیامت سے قدِ جاناں دراز

بیکسی میں بھی دیا ہے تُو نے ساتھ
عمر ہو تیری غمِ ہجراں دراز

بھر سکے تم سے کہیں ممکن نہیں
اس قدر ہے دامنِ ارماں دراز

انتظارِ صبح میں ہم مر مٹے
کس بلا کی تھی شبِ ہجراں دراز

ہائے کہنا اُن کا شامِ وصل سے
اور ہوتی کچھ شبِ ہجراں دراز

ہے شبِ فرقت بھی جگر میں حکیم
اس قدر ہے کاکلِ جاناں دراز

س

بہرِ تسکیں ہوتے دو غمخوار مجھ بسمل کے پاس — ایک دل اے کاش ہوتا اور میرے دل کے پاس

کوئی کہہ دے یہ ذرا جا کر مرے قاتل کے پاس — حسرت و ارماں کا مجمع ہے ترے بسمل کے پاس

المدد اے ضعف، ہاں ہمت ذرا اے شوقِ قتل — جس طرح ہو مجھ کو پہنچا دو ذرا قاتل کے پاس

کس لئے جاتا ہے کعبے کیا تجھے حج سے غرض — زاہدِ ناداں ہے جب اللہ تیرے دل کے پاس

کھینچ لائے گی اُسے شوقِ شہادت کی کشش — کیا ضرورت ہے کوئی کیوں جائے خود قاتل کے پاس

تجھ کو جو کہنا ہو مجنوں کہہ لے تو موقع ہے اب — تیری لیلیٰ آ گئی ہے پردۂ محمل کے پاس

کیوں سوالِ وصل پر جامہ سے باہر ہو گئے — یہ کہو اس کے سوا رکھا ہے کیا سائل کے پاس

خود بخود معلوم ہو جائے گا بیتابی کا حال — لیجے میرا دل بھی رکھیے آپ اپنے دل کے پاس

کیوں نہ اُس کے حسرت و ارماں اُسے رو دیں بھلا — پہنچکر مر جائے جو عاشق تری محفل کے پاس

تیری قسمت پر مجھے مجنوں بڑا افسوس ہے — جو رہا محروم جا کر ہائے تو محمل کے پاس

بعدِ مردن قبر میں مجھ سے قضا نے یہ کہا — اُس کی الفت لائی تجھکو ہائے کس منزل کے پاس

اب شبِ وعدہ بھی آدھی رہ گئی اے بیکسی — کس کو بھیجوں یہ بتا تو تو میں اس غافل کے پاس

کیا عجب ہے ابکے مشکل ہو مری آسان حکیم — جی میں آتا ہے کہ پھر جاؤں میں اُس قاتل کے پاس

نہ سُنا حال کچھ مرا افسوس — ٹال کر یار چل دیا افسوس
نہ ہوئی میری جاں طبیبوں سے — تیرے بیمار کی دوا افسوس
بے وفا اور بے مروت ہے — دل مرا کس پہ آگیا افسوس
مجھ کو دیکھو وفائیں کرتا ہوں — اور تم کرتے ہو جفا افسوس
جان و دل میرا مفت میں لے کر — آپ نے رنج و غم دیا افسوس
بھول کر بھی کہیں ستمگر نے — یاد مجھ کو نہیں کیا افسوس
کان ہیں منتظر مگر اے دل — اُن کی آتی نہیں صدا افسوس
اے طبیبو تمہیں نہیں آتی — دردِ دل کی مرے دوا افسوس

نہ ہوا کارگر علاج حکیم
دردِ دل کا نہیں مٹا افسوس

کیونکر نہ میں رہوں ترے مسکن کے آس پاس
رہتی ہے عندلیب بھی گلشن کے آس پاس

اللہ رے حسنِ یار کہ بے شمع رات کو
پروانے جمع تھے رُخِ روشن کے آس پاس

اے چشمِ یار دیکھ تو، تجھ کو مری قسم
کیا بھیڑ عاشقوں کی ہے چلمن کے آس پاس

کیوں خیر ہے کہو تو سہی بات بھی ہے کیا
پھرتے ہو تم جو خانۂ دشمن کے آس پاس

اللہ رے بیکسی کہ ٹھکانا نہیں کہیں
روتی ہیں حسرتیں مری مدفن کے آس پاس

نازو ادا سے دیکھ شبِ وصل حسرتیں
رُوٹھی ہوئی تھیں بیٹھ گئیں من کے آس پاس

جب ہے مزہ کہ بعدِ فنا اے غمِ فراق
مسکن بنائیں وہ مرے مدفن کے آس پاس

اے باغباں سنبھل نہ کہیں حشر ہو بپا
بن ٹھن کے پھر رہے ہیں وہ گلشن کے آس پاس

دیکھا شہیدِ ناز کا اب تم نے مرتبہ
حُوروں کا اژدہام ہے مدفن کے آس پاس

جب ہجر میں مرا ہوں کسی گل کے لئے حکیمؔ
گلزار چاہیئے مری مدفن کے آس پاس

ش

میرے احباب رہیں کیوں نہ پریشاں خاموش
جب کہ میں صورتِ تصویر ہوں حیراں خاموش

وصل کی شب ہے رہو یوں نہ مریجاں خاموش
کیا سبب ہے کہ جو ہو مثلِ پشیماں خاموش

عشق میں کوئی نصیحت ہو بُری لگتی ہے
میں کیے دیتا ہوں اے ناصحِ ناداں خاموش

تیرے قرباں تجھے میری قسم یہ تو بتا
آج کس فکر میں ہے اے غمِ جاناں خاموش

کیا ستم ہے کہ کرے تُو تو ہزاروں باتیں
اور بیٹھے رہیں ظالم مرے ارماں خاموش

مصحفِ رخ کا تصور ہے تمہارے شاید
اس لئے آج ہیں کچھ حافظِ قرآں خاموش

مُنہ سے نکلی جو ذرا اُف تو قیامت ہو گی
تیرے قرباں اگر اے غمِ ہجراں خاموش

اُن سے کہتے ہیں شبِ وصل یہ ارماں میرے
آج تو ہم نہ رہیں گے کہیں ہاں ہاں خاموش

مجلسِ وعظ میں کیا بات ہے جو چپ ہو حکیم
ورنہ رہتے نہیں محفل میں سخنداں خاموش

حضرتِ دل کو اُس نظر کی تلاش
اُس نظر کو مرے جگر کی تلاش

جستجو میں جو خود ہی کھو جائے
کیا کرے وہ تری کمر کی تلاش

پھر رہا ہے، جو کُو بکُو ظالم
ہے تجھے آج کس کے گھر کی تلاش

کیا ہوا، خیر ہو جو سینہ میں
حضرتِ دل کو ہے جگر کی تلاش

ڈھونڈ کر اُس کو عرش پر پایا
دیکھئے تو ورا البشر کی تلاش

میرے احباب زہر دیں مجھکو
ہے عبث اُن کو چارہ گر کی تلاش

کیا کریں ہم، نہیں ملی ورنہ
موت کی ہم نے عمر بھر کی تلاش

اے نزاکت اُنہیں دہم وعدہ
کس لئے ہے اگر مگر کی تلاش

ہمسرِ الفت کی آ کے دنیا میں
آپ سے ہم نے پیشتر کی تلاش

کیا تماشہ ہے، دیکھئے تو سہی
ہے مجھے اور اپنے گھر کی تلاش

کیا غضب ہے کہ شام ہی سے حکیم
ہے شبِ وصل کو سحر کی تلاش

ص

چٹکیاں لیتا ہے دل میں مرے کیا کیا اخلاص
یاد آتا ہے وہ پہلا جو کسی کا اخلاص

جب انہیں لیلیٰ و مجنوں کا سنایا اخلاص
بولے کیا اس کو سنیں ہے یہ پرانا اخلاص

وصل کا نام وہ سنتے ہیں تو فرماتے ہیں
کون تھا جس نے نکالا یہ انوکھا اخلاص

رنج سا رنج عداوت سی عداوت مجھ سے
اور غیروں سے ہر یجاں یہ تمہارا اخلاص

سائلِ وصل ہوں اس وجہ سے مانو تو سہی
اور پھر اس سے تو بڑھ جائیگا دونا اخلاص

ورد کر سورۂ اخلاص کا کچھ دن اے دل
میں بھی دیکھوں کہ وہ کیونکر نہیں کرتا اخلاص

حشر تک دھوم زمانہ میں رہے جس کی جمیم
چاہیئے عاشق و معشوق میں ایسا اخلاص

کہتے ہیں صاف صاف یہ شمشیر کے خواص
قاتل تری نگاہ میں ہیں، تیر کے خواص
خوش دیکھ کر کسی کو کہیں خوش نہیں ہوئے
گویا ہیں آپ میں فلکِ پیر کے خواص
دل کا اِدھر، جگر کا اُدھر، کام کر گئے
اُف کیا نگاہِ قہر میں ہیں تیر کے خواص
کرتا ہوں جو وہ پڑتی ہے اس کا کروں بھی کیا
تدبیر میں بھی مل گئے تقدیر کے خواص
جو بات ہے وہ بُغض و حسد سے بھری ہوئی
ملتے ہیں آپ سے، فلکِ پیر کے خواص
صحت ہوئی ہے جس سے کہ بیمارِ عشق کو
ہیں اُس گلی کی خاک میں اکسیر کے خواص
دل دشمنوں کے چاک گئے جس سے اے حکیم
تیرے کلام میں بھی ہیں کیا تیر کے خواص

ض

مطلب نہ کفر سے نہ کچھ اسلام سے غرض
اے دل ہمیں تو ہے بتِ خود کام سے غرض

تیری بلا سے کوئی مرے یا کوئی جئے
بیداد گر تجھے تو ترے کام سے غرض

بلبل کو ناز و فخر ہے کیوں گُل کے عشق پر
آخر ہمیں بھی ہے کسی گلفام سے غرض

جب تُو نہ ہو تو لطف ہی پھر میکشی کا کیا
ساقی بغیر تیرے ہو کیا جام سے غرض

سُن سُن کے حالِ زار مرا نامہ بر سے وہ
کہتے ہیں ہم کو گردشِ ایام سے غرض

مقتول ہیں جو ناز و ادا کے جنابِ خضرؔ
خنجر سے واسطہ اُنہیں صمصام سے غرض

تکلیفِ ہجر سُن کے دیا اس نے یہ جواب
رکھیئے نہ عشق میں کہیں آرام سے غرض

اُمت میں جب ہوں احمدِ مرسل کے اے حکیم
کیونکر نہ ہو صحابۂ عظّام سے غرض

ہم کو ہوا وہ کب ترے تیرِ نظر سے فیض
جو کچھ ہوا ہے حضرتِ دل سے جگر سے فیض

ہو فیضیاب ہے کوئی جو چشمِ لطف سے
ہم کو تو کچھ ہوا نہ تمہاری نظر سے فیض

انکار وصل سے نہ کرو تم، شباب میں
کیا لطف جب نہ ہو شجر بارور سے فیض

ہر روز ایک تازہ مصیبت ہے جان پر
ہم کو ہوا یہ اُس بُتِ بیداد گر سے فیض

لائیں گی رنگ دیکھنا یہ اشک باریاں
امید ہے کہ ہوگا ہمیں چشمِ تر سے فیض

مانگی جو صبح ہجر کی میں نے دعا؟ کہا
کچھ رات سے ہوا ہے، کچھ ہوگا سحر سے فیض

ناصح سے رازِ عشق نہ کہیئے گا اے حکیم
ہوتا نہیں کسی کو کہیں رخنہ گر سے فیض

ط

کیا خاک بیکسی ہو، مرا اُس سے غم غلط — سُن سن کے حالِ غم جو کہے دمبدم غلط

اس جھوٹ بولنے کی کوئی انتہا بھی ہے — کھاتے ہیں آپ روز قسم پر قسم غلط

ناصح ہے ساتھ۔ اور ہے رہبر بھی خضرؑ سا — پڑتے ہیں راہِ عشق میں پھر کیوں قدم غلط

میں ہوں برا رقیب، ہے اچھا یونہی سہی — کہنا خدا کرے نہ ترا ہو صنم غلط

اب تو یقیں ہوا کہ نہیں غیر باوفا — بندہ نواز کہیے تو کہتے تھے ہم غلط

کہتے ہیں فتنہ گر تری اندازِ گفتگو — اقرارِ وصل جھوٹ ہے قول و قسم غلط

کافر قسم خدا کی ہے یہ بھی خدا کی شان — ہر بات پر کہے تو مری دمبدم غلط

سُن سُن کے داستانِ الم قصہ خواں سے وہ — کہتے ہیں ہے بہت یہ صحیح اور کم غلط

گر ظلم ہو برائیاں اغیار کی کہیں — لیلو قسم کہ کچھ نہیں کہنے کے ہم غلط

ہے اس لیے حکیمؔ ہمیں آرزوئے مرگ
تا زندگی ہوا ہے کسی کا بھی غم غلط

دل و جاں سے نہ کیوں ہو پیاری شرط
اور اس پر بھی پھر تمہاری شرط

ہمکو یہ اعتبار کیوں آئے
وصل کی اور تم نے ہاری شرط

وعدہ کرتے تو ہو۔ زباں سے ؟ مگر
بندہ پرور ہے پاسداری شرط

ان وفاؤں پہ یہ جفا ؟ افسوس
تھی یہی آپ کی ہماری شرط

ہار بھی جس کی جیت سے اچھی
عشق کی بھی ہے کیا ہی پیاری شرط

کچھ خبر بھی ہے عشق و الفت میں
حضرتِ دل ہے پردہ داری شرط

ناز سے اُن کا پوچھنا یہ حکیمؔ
وصل سے بھی ہے کوئی پیاری شرط

ظ

خود تو یہ حال ہے اوروں کو نصیحت واعظ
کچھ بگڑ سی گئی کمبخت تری مت واعظ

بزمِ رنداں میں غضب ہے کی مذمت واعظ
ہوش میں آ۔ تری کیا آئی ہے شامت واعظ

ذکرِ مے لب پہ ترے اور نصیحت واعظ
دیکھ کمبخت نہ آجائے قیامت واعظ

گو گنہگار ہوں لیکن ہے توقع اُس سے
دیکھ لینا کہ ملے گی مجھے جنّت واعظ

سچ ہے اے پیرِ مغاں واقعی انساں ہوجائے
مان لے کاش کہیں میری نصیحت واعظ

بزمِ رنداں جسے کہتے ہیں نہیں شک ہمیں
مجلسِ وعظ سے وہ پھر ہے غنیمت واعظ

جب نہیں ہے وہاں معشوق و مے و آزادی
کیا کرے گا کوئی پھر لے کے بھی جنّت واعظ

وصفِ فردوس نہ پھر ذکر کرے حُوروں کا
دیکھ لے اُس بُتِ مہوش کی جو صورت واعظ

فکر ہے دیکھ کے تو عاقبت اندیش نہیں
حشر میں ہو نہ کہیں تجھ کو ندامت واعظ

جو گنہگارِ محبت ہو، سزا کا اُس کی
کیا لگاتی ہے بتا، حکم، شریعت واعظ

میں نہ مانوں گا کہ ہاں تجھسے بھلا کیا نسبت
سُن لیا ہوگا کہیں نامِ محبت واعظ

تھا گنہگار حکیمِ جگر افگار مگر ؟
شانِ رحمت نے اُسے بخشدی جنّت واعظ

کون کہتا ہے ستمگر کہ ستم سے محفوظ
مجھ کو اللہ رکھے تیرے کرم سے محفوظ

شانِ رحمت ترے قربان، مرا دھیان رہے
میں نہ رہ جاؤں قیامت میں کرم سے محفوظ

مرنے والوں کو بھی افسوس شکایت ہے یہی
دونوں عالم میں نہیں کوئی بھی غم سے محفوظ

وہ گناہگار ہیں ہم روزِ قیامت اے دل
رہ نہیں سکتا جہنّم کبھی ہم سے محفوظ

قبرِ فرہاد سے "شیریں" یہ صدا آتی ہے
ہائے مر کر بھی ہوتے ہم نہ الم سے محفوظ

مجھ پہ آتی ہے، جو آتی ہے فلک سے ظالم
ہے بلاؤں سے زمانہ مرے دم سے محفوظ

کیوں شکایت ہے بھلا عشق و محبّت میں حکیم
غیر ممکن ہے رہو رنج و الم سے محفوظ

ع

جب یہ کہا کہ ہے دلِ مضطر کو اطلاع
بولے بتا تو کیا ہے ترے سر کو اطلاع

کہتا ہے آئنہ کہ مرے حالِ زار سے
افسوس ہے کہ ہو نہ سکندر کو اطلاع

اے جذبِ شوق پوچھئے پھر کس سے راہِ دوست
جب ہو نہ خضرؑ جیسے بھی رہبر کو اطلاع

مظلوم صبر کر کے نتیجہ سے ظلم کے
ہو گی بروزِ حشر ستمگر کو اطلاع

جی چاہتا ہے اس سے ذرا پوچھ دیکھئے
کیا حالِ غیب سے ہے مقدر کو اطلاع

گو لاکھ آپ چھپ کے ملیں غیر سے مگر
ہو جائے گی مرے دلِ مضطر کو اطلاع

ہم حالِ دل بتوں سے کہیں خاک اے حکیم
ہوتی بھی ہے کہیں کوئی پتھر کو اطلاع

غ

دستِ قاتل خاک جوہر اپنے دکھلاتی ہے تیغ
سخت کم ظرفی ہے یہ پانی پہ اتراتی ہے تیغ

بات تجھ کو اور کیا اس کے سوا آتی ہے تیغ
آنسوؤں سے خون کے مقتل میں رلواتی ہے تیغ

قتلِ دشمن ہو سکے تم سے، کبھی ممکن نہیں
سخت جاں ہو نازنیں تم اور شرماتی ہے تیغ

جاؤ بھی، بس جاؤ بھی، تم قتل مجھ کو کر چکے
دستِ نازک سے سنبھالو وہ گری جاتی ہے تیغ

آبرو رکھ لے مرے قاتل کی مقتل میں کہ آج
یا الٰہی قتل سے دشمن کے گھبراتی ہے تیغ

آفریں صد آفریں شوقِ شہادت کی کشش
دستِ قاتل سے گلے تک کھنچ کے خود آتی ہے تیغ

آپ نے اچھی کہی، میں تو نہ مانوں گا کبھی
کچھ خطا میری نہیں جب قتل کرواتی ہے تیغ

ہم بھلا ممنون اس کے ہوں تو ہوں کیونکر حکیمؔ
کب ہمارے حال پہ کچھ رحم فرماتی ہے تیغ

بلبل نہ ہو سکے گی کبھی ہم بیانِ داغ
لائے گی وہ حکیم کہاں سے زبانِ داغ

کہتی ہے صاف صاف یہ طرزِ بیانِ داغ
تا حشر یادگار رہے گی زبانِ داغ

تجھ سا بھی کوئی دشمنِ اہلِ ہنر نہیں
افسوس اے فلک کہ مٹایا نشانِ داغ

پرسش نہ کیوں گلوں میں ہو اسکی کہ باغباں
بلبل نے اب اڑائی ہے طرزِ فغانِ داغ

کیا زندگی کا حال لکھوں بعدِ مرگ بھی
ہندوستاں میں دھوم ہے اُف ری زبانِ داغ

اے نکہ نظم اور بھی اُستاد گو ہوئے
لیکن فصیح و شوخ ہے سب سے زبانِ داغ

کیونکر محاورہ نہ لکھے صاف صاف وہ
برسوں حکیم جس نے سُنی ہو زبانِ داغ

ف

کہوں کیا میں اے دلستاں صاف صاف
مری سنتے ہو تم کہاں صاف صاف

بھلا اس گھٹا اور اس ابر میں
نظر آئے کیا آسماں صاف صاف

دل و جاں سے حاضر ہوں، کیا چاہئے
کہو تو سہی مہرباں صاف صاف

عیاں ہے مرا حال صورت سے جب
کہوں پھر میں کیا میریجاں صاف صاف

سنو تم اگر مدعائے دلی
تو پھر ہم کریں بھی بیاں صاف صاف

مزہ جب ہے محشر میں ہو میری جاں
ہمارا، تمہارا، بیاں صاف صاف

یہ ڈر ہے مجھے کوئی رسوا نہ ہو
کروں کسطرح پھر فغاں صاف صاف

رُکے گی نہ حالِ عدو پر کہیں
کہے گی ہماری زباں صاف صاف

اشاروں سے کیا فائدہ اے حکیمؔ
کرو مدعا تم بیاں صاف صاف

جب نہیں تُو مجھ سے میری جان صاف
کیا رہے انسان سے انسان صاف

جلوۂ دیدار سے جاتے رہے
حضرتِ موسیٰ کے بھی اوسان صاف

بیکسی میں بھی تو یہ آتے رہے
کس قدر رہیں اُف ترے ارمان صاف

خیر، آنکھوں کی صفائی ہو نہ ہو
دل کو رکھو مجھ سے تُو میری جان صاف

وصل ہو تو ہو وگرنہ ہجر میں
پس چلی جائے گی اپنی جان صاف

تیرے دیوانہ کو مضطر دیکھکر
حشر کا بھی ہوگیا میدان صاف

جب نہ ہو مرنے کی بھی فرصت حکیم
پھر یہ کہیئے خاک ہو دیوان صاف

ق

تیغ و خنجر ہوں ترے، مرے سر کے عاشق
جس طرح کان مرے تیری خبر کے عاشق

دل میں کیونکر یہ رہیں، دل سے غرض کیا انکو
ناوکِ نازِ ستمگر ہیں جگر کے عاشق

شورِ محشر نے بہت شور مچایا، لیکن
تیرے ڈر سے نہ ذرا بھی کہیں سرکے عاشق

اے غمِ یار اگر تو ہے تو کیا احساں ہے
نوحہ بھی تو ہیں مرے دیدۂ تر کے عاشق

دردو غم، رنج و الم، یاس و تمنا، حرماں
بیکسی چھوڑ چلی دیکھ یہ ترکے عاشق

اس لئے ہم کو تمنائے اجل ہے ناصح
ہم یہ سنتے ہیں کہ جی جاتے ہیں مر کے عاشق

کمسنی ہے ابھی، اس بات کو وہ کیا جانے
کہ ہوا کرتا ہے ہم پہ کوئی مر کے عاشق

حشر میں بھی تو غضب ہیں وہی تیور اسکے
کیا جئیں وہ جو الٰہی ہوں نظر کے عاشق

دین و دنیا میں نہیں ہائے ٹھکانا اِن کا
یہ بتا پھر بُتِ کافر ہوں کدھر کے عاشق

کون سنتا ہے غریبوں کے الٰہی نالے
کیا کریں گے یہ بتا آہ بھی کر کے عاشق

میں انہیں کیوں نہ پلاؤں یہ مئیں کیوں نہ حکیم
تیرِ مژگاں ہیں، مرے خونِ جگر کے عاشق

ق

بڑھ گئی ہے حُسن سے توقیرِ عشق
ورنہ تھی ایسی کہاں تقدیرِ عشق

مرض اگر ہو تو کرے کوئی دوا!
ہو سکے کیا چارہ و تدبیرِ عشق

واقعی تیرے جمال و حُسن سے
کھل گئی اے حور وش تقدیرِ عشق

چارہ گر ممکن نہیں تجھ سے دوا
یہ لگا ہے دیکھ دل پر تیرِ عشق

غیر لائے گا کہاں سے یہ جگر
تم لگا دو میرے دل پر تیرِ عشق

حضرتِ دل کچھ نہ کچھ تو ہو اثر
کاش سُن لیں وہ کہیں تقدیرِ عشق

پھرتے ہو کیوں آج گھبرائے ہوئے
کر گئی کیا کچھ اثر تاثیرِ عشق

زخم اُس کا بھر نہیں سکتا کہیں
لوگ کہتے ہیں جسے شمشیرِ عشق

حُسن ہے اُن کا ترقی پر حکیم
اب چمک جائے گی کچھ تقدیرِ عشق

ک

تیغِ قاتل دل مضطر ہے جو عُریاں اب تک
خیر ہو، کیا ہے کوئی قتل کا خواہاں اب تک

وصل ہونے کو تو ہاں واقعی مدت گذری
کس لئے تم ہو بتاؤ تو پشیماں اب تک

ہر طرح کی جگر و دل پہ مصیبت ہے مگر
اُف بھی نکلی مرے منہ سے غمِ جاناں اب تک

حضرتِ دل کی تباہی کو زمانہ گذرا
زُلفِ جاناں ہے مگر ہائے پریشاں اب تک

چھیڑ دیکھو کہ سرِ حشر وہ فرماتے ہیں
یاد ہیں ہائے کسی کو ترے ارماں اب تک

آپ کی تیغِ تبسم کو سہی گو انکار
چاک ہے دل کہ مرا مثلِ گریباں اب تک

برسیں گذریں کہ کسی بُت سے تعلق تھا مگر
مجھ سے کیوں کرتے ہیں پرہیز مسلماں اب تک

مجھ کو مدت ہوئی گو سیرِ گلستاں کرتے
دل میں باقی ہے مگر شوق بیاباں اب تک

کیا کہوں ہائے وہ مقتولِ تمنا ہوں حکیم
ہیں غم و رنج مرے حال پہ گریاں اب تک

کیا ہے ظلم ظالم نے یہاں تک | مٹایا قبر کا میری نشاں تک
رسولِ پاک تھے پہنچے جہاں تک | نہیں پہنچے فرشتے بھی وہاں تک
ستم ہے میری جان تیرے مقابل | ترا شکوہ نہیں آتا زباں تک
غمِ فرقت کے صدمے یہ تو کہیئے | اٹھائے یہ دلِ مضطر کہاں تک
غضب ہوگا اگر مرنے کی میری | خبر پہنچی کہیں اُس دلستاں تک
کہاں کا حالِ فرقت یہ ستم ہے | نہیں سُنتے وہ میری داستاں تک
سوالِ وصل پر بھولے سے ظالم | ترے مُنہ سے کہیں نکلا نہ ہاں تک
شبِ فرقت مرے نالوں سے ہمدم | زمیں کیسی، ہلا ہے آسماں تک
کوئی اُن کی نہ مہندی چھوٹ جاتی | چلے آتے اگر میرے مکاں تک
اگر کہنا مرا تم مان لیتے | فدا کرتا میں تم پر اپنی جاں تک

حکیم اس شعر میں کیا لطف آئے
نہ ہو جس شعر میں لطفِ زباں تک

گ

رہتا ہے جب سے وہ شہِ خوباں الگ الگ
دل ہے الگ، جگر ہے الگ، جاں الگ الگ

اس طرح تم ہو مجھ سے مری جاں الگ الگ
جس طرح ہیں یہ دیدۂ گریاں الگ الگ

اللہ رے بیکسی کہ غمِ یار ہی نہیں
رہتی ہے بلکہ اب شبِ ہجراں الگ الگ

جوشِ جنوں کا دیکھئے اپنے یہ حال ہے
دامن ہے ٹکڑے ٹکڑے گریباں الگ الگ

آئے ہو ساتھ غیر کے۔ تم بزمِ عیش سے
چاروں قدم ہیں ساتھ نمایاں الگ الگ

سچ ہے کہ وقتِ بد میں کوئی پوچھتا نہیں
تو بھی تو اب ہے زلفِ پریشاں الگ الگ

کیا آج کچھ عتاب ہے اس پر بھی ہو گیا
پھرتا ہے تیرے در سے جو درباں الگ الگ

اس برہمی کی کوئی بھلا انتہا بھی ہے
کب تک رہے گا اے غمِ جاناں الگ الگ

باہم حکیم ان میں یہ کیوں پھوٹ پڑ گئی
رہتے ہیں دل سے حسرت و ارماں الگ الگ

رنجش کی آپ نے نہ مری جاں بجھائی آگ
طرّہ یہ ہے کہ اور لگی میں لگائی آگ

افسوس طور اس کی تجھے کیا خبر نہ تھی
لیتا ہے اپنے سر بھی کوئی کب پرائی آگ

مجھ سا گناہگار ہے بخشا گیا کوئی
دوزخ نے آج غم سے جو جل جل کے کھائی آگ

پوچھو نہ مجھ سے عشق و محبّت کا ماجرا
اس دل لگی نے اور لگی میں لگائی آگ

مانا کہ طور کو بھی جلایا تو کیا ہوا
موسیٰ کے گھر نہ برقِ تجلّی لگائی آگ

یہ تو بتاؤ تم، مجھے کیا فائدہ ہوا
گر فرقتِ رقیب کی تم نے بجھائی آگ

میں کیا کہوں حکیم کہ کیا قہر ہوگیا
سوزِ غمِ فراق نے دل میں لگائی آگ

ل

ہر آن ہر گھڑی ہے یہی بس دعائے دل
وہ دن خدا کرے کہ سنو ماجرائے دل

تم کو تو جب سنائے کوئی ماجرائے دل
تم سے کسی حسیں پہ تمہارا ابھی آئے دل

سرکار کیا سنیں گے مرا ماجرائے دل
کرنے لگیں گے سن کے ابھی ہائے ہائے دل

ایک آدھ کیا نظر میں بھلا اُسکی آئے دل
جس نے کہ خاک میں ہوں ہزاروں ملائے دل

وہ دل ہی دل میں لیکے مرا مسکرائے دل
کہتا میں رہ گیا کہ گیا ہائے ہائے دل

سچ ہے کہ ان بتوں سے کوئی کیوں لگائے دل
کرتا پھرے جو دے کے انہیں ہائے ہائے دل

معشوق واقعی کوئی ہوگا نہ باوفا
کہنا اگر غلط ہے مرا آزمائے دل

اُس فتنہ گر کا ناز سے کہنا یہ بار بار
میری بلا سے آپ کا جاتا ہے جائے دل

واعظ خدا کے واسطے یہ مانگ تو دعا
البتہ اِن بتوں سے ہمارا بچائے دل

مرنے کے بعد بھی یہ گیا ساتھ قبر میں
تا حشر یادگار رہے گی وفائے دل

آہ و فغاں پہ وہ مری کہتے ہیں طنز سے
کب تک تری فغاں نے بتا تو ہلائے دل

کیا خاک اُس سے حال کہیں ناصحِ شفیق
آتی بھی ہو حکیم کو دردِ دوائے دل

ہمارا ہو کے اُن کا ہو گیا دل	کریں کیا ہائے نکلا بے وفا دل
تری محفل ہے یا چوروں کا گھر ہے	کہ ہر اک پھر رہا ہے ڈھونڈتا دل
بجائے گل، ہے شمع پر تو عاشق	یہ کیا دیوانگی ہے اے عنا دل
اسے اُمید ہے تم کیا سنو گے	کہے کیا خاک تم سے مدعا دل
حسینانِ جہاں ہیں جس کے خواہاں	ملا ہے واہ وا، ہم کو بھی کیا دل
کہے دیتا ہوں پچھتائے گا زاہد	بُتوں کو دے نہ اے مردِ خدا دل
دلِ گم گشتہ کے مذکور پہ نہ	یہ کہتے ہیں کہ اب تو مل چکا دل
ترے ہاتھوں ہوا ہوں سب میں رسوا	کہوں کیونکر نہ ہو تیرا برا دل
مجھے جب ڈھونڈتے دیکھا تو بولے	کہو تو خیر ہے کیا کھو گیا دل

حکیمؔ اللہ سے یہ التجا ہے
بُتوں پر ہو نہ اپنا مبتلا دل

گر عندلیب شاد مجھے وہ دکھا کے پھول — سونگھے ہوئے ہوں جو کسی رنگیں ادا کے پھول
اٹکھیلیاں بھی تھیں صورت بھی باغ باغ — آئی ہے اے نسیمِ سحر کیا کھلا کے پھول
ناکامئ نصیب کہ مرجھا کے رہ گئے — یارب ہماری شاخِ تمنا میں آ کے پھول
اب تو سمجھ گیا کہ اشارہ ہے قتل کا — قاتل نے مجھ کو بھیجے ہیں ایدل حنا کے پھول
اے عندلیب دیکھ اُسی پر نثار ہو — گلشن میں ہیں کھلائے ہوئے جس خدا کے پھول
مانا کہ مرگِ غیر کے کل سوگ میں نہ تھے — پھر آج ہو رہے ہیں یہ کس کی قضا کے پھول
شاید نظر رقیب کی کچھ لگ گئی انہیں — مُرجھائے سے ہوئے ہیں جو شاخِ دعا کے پھول
اُف کیا کہوں کب آئی خبر انتقال کی
جب ہو چکے حکیم جنابِ رسا[1] کے پھول[2]

ما مولوی حیات بخش صاحب متخلص رسا مرحوم جانشین حضرتِ داغ مصاحب دربار رام پور
م۲ بمعنی زیارت

م

اُس سے حکیمؔ خاک کہیں دل کے راز ہم / جس کو کہ جانتے ہوں بھلا حیلہ ساز ہم

تیرے سوا سنائیں کسے دل کے راز ہم / جب ہیں نیاز مند ترے بے نیاز ہم

افسوس زلفِ یار برا مانتی ہے کیوں / کیا چھیڑ چھاڑ کے بھی نہیں ہیں مجاز ہم

بہتر اسی میں ہے کہ ہمیں قتل کیجئے / بیزار زندگی سے ہیں بندہ نواز ہم

ہم سا نیاز مند نہ ہوگا جہان میں / دشمن کے بھی خوشی سے اٹھاتے ہیں ناز ہم

وہ کون سی ہے جس میں ستمگر ستم نہیں / ان مہربانیوں سے تری آئے باز ہم

کیسا الم، کہاں کی خوشی، کس کا رنج و غم / ہر حال میں کسی کے اٹھائیں گے ناز ہم

دوزخ کا حکم دے تو مگر یہ سمجھ بھی لے / کس کے گناہگار رہیں اے بے نیاز ہم

عشقِ بتاں سے جب ہمیں فرصت نہیں حکیمؔ
فرمایئے تو آپ پڑھیں کیا نماز ہم

رنج ہے، غم ہے، بیکسی ہے حکیم — خاک اب لطفِ زندگی ہے حکیم!

وہ خدا تو بڑا غنی ہے حکیم — اُس کے کس چیز کی کمی ہے حکیم

کھیل سمجھیں نہ آپ الفت کو — یہ قیامت کی دل لگی ہے حکیم

اِن بُتوں سے ہمیں خدا کی قسم — دشمنی ہے نہ دوستی ہے حکیم

کیوں ہیں بہکی ہوئی تری باتیں — ہو نہ ہو آج تو نے پی ہے حکیم

وہ سرِ بزمِ غیر سے بولے — ایک باوضع آدمی ہے حکیم

کون فرقت کا ساتھ دیتا ہے — درد میں بھی تو اب کمی ہے حکیم

صاف انکار بھی نہیں کرتے — ان کے لب پر ابھی ابھی ہے حکیم

سُن کے میرا کلام فرمایا
لکھنوی ہے کہ دہلوی ہے حکیم

کیا کہوں اور میں کہ کیا ہو تم — دردِ دل کی مرے دوا ہو تم
روٹھ جاؤ کوئی منائے کیوں — کیا کسی کے بتو خدا ہو تم
کل پہ کیوں رکھا وصل کا وعدہ — آج ہو جائے گا جو چاہو تم
اس تلوّن کا کیا ٹھکانا ہے — دیکھو دیکھو کہ کیا سے کیا ہو تم
میری چاہت سے ہے اگر نفرت — بندہ پرور تو مجھ کو چاہو تم
اور سُنیئے نئی زمانہ سے — مجھ سے کہتے ہیں بے وفا ہو تم
فلکِ پیر بھی تو کہتا ہے — واقعی بانیٔ جفا ہو تم
بندہ پرور مجھے خبر تو ہو — کیا خطا ہے کہ جو خفا ہو تم
مجھ کو جب دیکھتے ہیں کہتے ہیں — آدمی تو نہیں بلا ہو تم
یا رسولِ خدا، حبیبِ خدا — دین و دنیا کے رہنما ہو تم

واقعی رند ہو نگیسم مگر
لوگ کہتے ہیں پارسا ہو تم

شبِ فراق کی حالت کسی کو کیا معلوم
کسی کی سیج ہے مصیبت کسی کو کیا معلوم

یہ کہہ رہی ہے کہ دل تو لیا ہے شوخی نے
تری حیا کی شرارت کسی کو کیا معلوم

عجیب لطف ہے اے دل فراقِ جاناں میں
سوا ہمارے یہ لذت کسی کو کیا معلوم

ابھی وہ دردو الم سے تو آشنا ہی نہیں
ہمارا رنج و مصیبت کسی کو کیا معلوم

شبِ فراق میں کل ہم نے دردِ جاناں سے
کری ہے وہ جو شکایت کسی کو کیا معلوم

ہوا ابھی کیا کہ جو کہتا ہے نامہ بر سب سے
ہوئی جو مجھ کو ندامت کسی کو کیا معلوم

کہاں کی چال کسی کے قدم قدم پہ حکیم
مٹی ہوئی ہے قیامت کسی کو کیا معلوم

کر دیا اس نے میرا ناس حکیم — جس کو کہتے ہیں لوگ یاس حکیم
جب وہ آتے ہیں تیرے پاس حکیم — وصل کی پھر نہ کیوں ہو آس حکیم
ٹھیک ہے جب نہیں حواس حکیم — خاک بچنے کی پھر ہو آس حکیم
مرضِ عشق میں دوا کوئی — غیر ممکن ہے آئے راس حکیم
ذکر سن کر مرا وہ کہتے ہیں — مکتبِ عشق میں ہے پاس حکیم
کیا ہوا خیر تو ہے کچھ تو بتا — کس کے غم میں ہے تو اُداس حکیم
وصل کی اُس سے خاک ہو اُمید — خواب میں جو نہ آئے پاس حکیم
شبِ فرقت میں رنج و غم دونوں — رو یا کرتے ہیں بیٹھے پاس حکیم
شبِ وعدہ وہ میرے گھر آ کر — ہنس کے بولے نہ ہو اُداس حکیم
میرا ہر شعر پھر ہو مستانہ — جو پلا دیں وہ اِک گلاس حکیم

میرے اشعار سُن کے وہ بولے
داغؔ کا دل ہے تیرے پاس حکیم

ن

نہیں ساقی تو رہنے دے یہاں سب یار بیٹھے ہیں
پلا دے اوک سے ساقی ترے میخوار بیٹھے ہیں

اگر وہ قتل پر اے نامہ بر تیار بیٹھے ہیں
تو بسم اللہ ہم بھی جان سے بیزار بیٹھے ہیں

شبِ فرقت، خدا شاہد ہے، ظالم بیقراری سے
ہزاروں بار اٹھے ہیں ہزاروں بار بیٹھے ہیں

کلیجہ میں، جگر میں، سینہ میں، پہلو میں کیا دل میں
تمہاری چتونوں کے تیر سو سو بار بیٹھے ہیں

کہوں کیا جوشِ گریاں نے اٹھائیں آفتیں کیا کیا
کہ دم بھر میں مرے گھر کے در و دیوار بیٹھے ہیں

فغاں کی اب کہاں ہے تاب و طاقت اے بُتِ کافر
جگر تھامے ہوئے اب ہم پسِ دیوار بیٹھے ہیں

کبھی جو بیٹھتا ہوں تھک کے یارب راہِ الفت میں
تو کہتے ہیں ابھی سے آپ ہمت ہار بیٹھے ہیں

تجھے دیکھو کہ دل ہی تھے انہیں میں مفت دے بیٹھا
انہیں دیکھو کہ وہ ہر دم پئے آزار بیٹھے ہیں

تجھے کمبخت اس سے کیا غرض تجھکو بتائیں کیا
کسی کے منتظر اے دیدۂ بیدار بیٹھے ہیں

سرِ محشر بھی یہ اندھیر ہے اے داورِ محشر
یہاں بھی تو انہیں گھیرے ہوئے اغیار بیٹھے ہیں

یہ مانا ہم نے عاصی ہیں مگر خوفِ قیامت کیا
بھروسہ پر تمہارے اے شہِ مختار بیٹھے ہیں

حکیمِ خستہ جاں یوں تو حسیں ہیں سیکڑوں لیکن
حسینوں میں حسیں مدِ نظر دو چار بیٹھے ہیں — !

لوگ جس کو کہ داغ کہتے ہیں!
ہم تو اس کو چراغ کہتے ہیں

خُلد ہے جس کا نام، اے واعظ
اُس کو بھی ایک باغ کہتے ہیں

جس کے معنی پتہ ہیں اے ہمدم
کیا اُسی کو سُراغ کہتے ہیں

عمر بھر کامیاب ہو نہ کوئی؟
وہ یہ وقتِ چراغ کہتے ہیں

کیا غضب ہے کہ ہمدم بلبل
وہ ہو جس کو کہ زاغ کہتے ہیں

مٹ گیا اپنے دل سے داغِ الم
یوں اسے بے چراغ کہتے ہیں

تم نہیں جانتے حکیم ہوں میں
مجھ کو ہمرنگِ داغ کہتے ہیں

ہزاروں سیکڑوں میں زخم میرے جا بجا دل میں
لگے ہیں اس قدر کاری ترے تیرِ ادا دل میں

خبر بھی ہے کہ لاکھوں حسرتوں پر پھر گیا پانی
مری جاں وصل کی شب آپ نے جو کی حیا دل میں

بھلا کیا گُل کے دل میں ڈال دی دل کیا کرے کوئی
اثر ہی جب نہ ہو صیاد فریادِ عنادل میں

بقولِ حضرتِ ناصح کرے کیا التجا اُس سے
نہ ہو مہر و وفا کا نام بھی جس کے ذرا دل میں

جو رُسوائی کا اپنی دھیان ہے مدِّ نظر تجھ کو
خدا کے واسطے آ بیٹھ چھپ کر مہ لقا دل میں

دیا دل آپ کو میں نے خوشی سے جان بھی دوں گا
مگر یہ شرط ہے رہنا پڑے گا دلربا دل میں

رقیبوں پر کرم مجھ پر ستم ہے وہ کیا کہنا
تجھے میری قسم انصاف کر ظالم ذرا دل میں

تری اس شکل پر یہ مے کشی واعظ قیامت ہے
ذرا تو چاہیے خوفِ خدا مردِ خدا دل میں

حکیم اُس حور وش کو ساتھ لے کر جائیں جنت میں
یہی اللہ سے ہم مانگتے ہیں بس دعا دل میں

تمہیں ہم اگر کچھ بھرا دیکھتے ہیں　　کلیجے سے دل کو جُدا دیکھتے ہیں
کہیں کیا سوا اس کے، کیا دیکھتے ہیں　　ترا جلوہ ہم جابجا دیکھتے ہیں
اُنہیں آج ہم کچھ خفا دیکھتے ہیں　　مقدر کو اپنے پھرا دیکھتے ہیں
ادائیں اگر اُن کی دلکش نہیں　　تو پھر آئینہ میں وہ کیا دیکھتے ہیں
کمر باندھے بیٹھے ہیں ہم بھی وفا پر　　کریں گے وہ کب تک جفا دیکھتے ہیں
خدا نے اسی واسطے دی ہیں آنکھیں　　حسینوں میں شانِ خدا دیکھتے ہیں
ذرا دیکھنا حضرتِ دل، بُتوں کو　　مجھے نیچی نظروں سے کیا دیکھتے ہیں
وہ آتے بھی ہیں یا نہیں آج ہم بھی　　اثر تیرا آہِ رسا دیکھتے ہیں

سنبھل کر حکیمِ سخنور لکھا کر
غزل اب جنابِ رسا دیکھتے ہیں

نوکِ مژگاں کا تصور ہے جو دلبر دل میں
ایک نشتر سا چبھا کرتا ہے اکثر دل میں

حشر میں حشر اٹھانا تو نہیں ہے منظور
آپ کیا سوچ رہے ہیں پسِ محشر دل میں

رحمدل جان کے دل ہم نے دیا تھا تجھ کو
کیا خبر تھی کہ بھرے ہیں تمہے پتھر دل میں

وعدۂ وصل پہ اُس گل سے نزاکت نے کہا
وعدہ کرنا تو مگر سوچ سمجھ کر دل میں

تُو تو تو حشر میں کہدوں گا خدا کے آگے
اس کی الفت نے بنایا تھا مرے گھر دل میں

ہے قیامت تُو مرے سامنے غیروں سے ملے
ہو گئے رنج سے سوراخ ستمگر دل میں

سیکڑوں حشر بپا رہتے ہیں دل کے اندر
دھیان ہے جب سے ترا فتنۂ محشر دل میں

چارہ گر تجھ سے مری چارہ گری کیا ہوگی
عشق کا کاری لگا ہے مرے خنجر دل میں

ہوں وہ بیمار مجھے دیکھنے آیا جو حکیم
دیکھ کر نبض مری رہ گیا ششدر دل میں

نہیں تھمتی طبیعت آ گیا سنوں میں
جوانی ہے نصیحت کیا سنوں میں

یہ مطلب کی حکایت کیا سنوں میں
نزاکت کی شکایت کیا سنوں میں

کسی کی چال ہے نظروں میں واعظ
بھلا ذکرِ قیامت کیا سنوں میں

انہیں منظور کیوں تھا وصل میرا
تری بس بس نزاکت کیا سنوں میں

یہ بولے وصل کے مذکور پر شرم
مجھے ہے کچھ ندامت کیا سنوں میں

تصور مصحفِ رخ کا ہے اُس کے
اجل یٰسیں کی صورت کیا سنوں میں

یہ بولے ہاتھ وہ کانوں پہ رکھ کر
حکیم اب حالِ فرقت کیا سنوں میں

رہے تھے تم کشیدہ، گو کہ مجھ سے میری جاں برسوں
تصور نے تمہارے دل میں لی تھیں چٹکیاں برسوں

ابھی تک مجنوں و فرہاد کا سب ذکر کرتے تھے؟
رہا کرتا ہے بعدِ مرگ نامِ عاشقاں برسوں

وہی میں ہوں کہ تم پر جان و دل دینے کو حاضر تھا
وہی تم ہو رہے تھے مجھ سے کیا کیا بدگماں برسوں

بمشکل ایک شب پہلو میں تم میرے رہے تو کیا
تمہارے عشق میں میں نے سہے رنجِ گراں برسوں

ابھی تو عیش و عشرت سے گذرتی ہے مگر ڈر ہے
رُلائے گا جُدائی میں تمہاری آسماں برسوں

دمِ آخر بھلا پڑھنے سے کلمہ ہو بھی کیا حاصل
کیا ہو دین و ایماں کھو کے جب عشقِ بتاں برسوں

ذرا انصاف سے یہ تو بتا دو تم سوا میرے
تمہارے عشق میں کی ہے کسی نے بھی فغاں برسوں

بھلا فرمائیے تو حشر کے دن فیصلہ کیسا
ہمارا آپ کا ہونا ہے جب اک اک بیاں برسوں

حکیمِ خستہ جاں شکوہ الم کا ہے عبث بالکل
جب اس سے پیشتر تو رہ چکا ہے شادماں برسوں

یوں حشر کے صدمے دلِ مضطر کے لئے ہیں! جلنے کو وہ تیار غضب گھر کے لئے ہیں!

جب میں نے کہا یہ دلِ مضطر کے لئے ہیں جھنجھلا کے وہ بولے کہ ترے سر کے لئے ہیں

اس واسطے اے دل ہمیں مرنے کی خوشی تھی جو لے۔ لحد و گور سے مر مر کے لئے ہیں

اے باغباں جو پھول نکالے ہوں چمن سے درکار مجھے اک پری پیکر کے لئے ہیں

کچھ پوچھ نہ تو حال شبِ وصل کا ہمدم بوسے بھی بڑی ضد سے ستمگر کے لئے ہیں

جب سے کہ ہوا ہے ہمیں عشقِ بتِ کافر کعبہ میں بھی بوسے کسی پتھر کے لئے ہیں

اتنا تو بتا دے تو ہمیں اے شہِ خوباں تعویذ ترے پاس یہ کس ڈر کے لئے ہیں

کیا وعدہ وفائی کا ہمیں تم سے یقیں ہو جب وعدے ہی عشاق سے تو محشر کے لئے ہیں

کس ناز سے قاتل نے دمِ ذبح کہا یہ کیا شوق سے بوسے مرے خنجر کے لئے ہیں

کیوں ان کو بری آنکھ سے ہے دیکھتا قاتل یہ دل یہ جگر سب ترے خنجر کے لئے ہیں

دیتے ہو غم و رنج مرے دل کو۔ بتو کیا بربادیاں دنیا کی اسی گھر کے لئے ہیں

لو اور سنو، گالیاں دے دے کے وہ بولے کیا تم نے مزے قندِ مکرر کے لئے ہیں

کہنا یہ حکیم آن کا شبِ وصل ستم تھا
چاہو جو کرو شوق سے دم بھر کے لئے ہیں

آگ جب تک لگے نہ کینوں میں — خاک پاکیزگی ہو سینوں میں
کیا حسینوں میں، نازنینوں میں — آپ یکتا ہیں مہ جبینوں میں
عشق کا میرے حال سن کر قیس — چھپ گیا پردۂ زمینوں میں
ہائے ملنے لگے رقیبوں سے — فرق اب آگیا قرینوں میں
خیر شکرِ خدا آگئے گھر میرے — آج تم آئے تو مہینوں میں
ہیں دل و جان جگر بہم لیکن — پھر بھی ایک کا نہیں ہے تینوں میں
دخترِ رز کا کیوں ہے لے زاہد — دُور دَورہ تماشہ بینوں میں
وہ یہ کہتے ہیں وصل کی شب کا — ذکر کرنا نہ ہم نشینوں میں

جب یہ پوچھا کہ ہے حکیم کہاں
بولے ہوگا کہیں حسینوں میں

یہ ظلم و ستم اُس مرے دلبر کے کئے ہیں
کہتا ہے جہاں چرخِ ستمگر کے کئے ہیں

یہ حال جو میرے دلِ مضطر کے کئے ہیں
یہ کام کسی شوخ ستمگر کے کئے ہیں

دیوانہ ہوں میں وہ کہ مرا دستِ جنوں نے
ٹکڑے کئی اک دامنِ محشر کے کئے ہیں

اے حشر اُنہیں اب تو اماں دے کہ ہوئی شب
حیران و پریشان جو دن بھر کے کئے ہیں

کہتے ہیں وہ یہ تیرِ نظر دل پہ لگا کر
یہ زخم تو شاید کسی خنجر کے کئے ہیں

کیوں بعدِ فنا ہم پہ قیامت ہو نالاں
ہم قتل کسی فتنۂ محشر کے کئے ہیں

جب میں نے کئے ظلم کے شکوے تو وہ بولے
اس سے کرو، اس چرخِ ستمگر کے کئے ہیں

اللہ بچائے نظرِ غیر سے تم کو
اس نے کئی ٹکڑے ابھی پتھر کے کئے ہیں

کہتے تھے صبحِ وصل یہ انداز کسی کے
چھیڑو نہ، پریشان یہ شب بھر کے کئے ہیں

دعویٰ نہ کرو جس سے خدائی کا بُتو تم
اللہ نے پیدا تمہیں پتھر کے کئے ہیں

جب بس نہ چلا اپنا ستمگر پہ تو بولے؟
برباد تو ہم اپنے مقدر کے کئے ہیں

کیونکر نہ حکیم اُن کو رکھوں دل سے لگا کر
یہ داغِ عنایت بُتِ خودسر کے کئے ہیں

یارِ غمخوار اس کی باتیں ہیں
قابلِ پیار اس کی باتیں ہیں
حضرت دل کا خون کیوں ہوگا
کوئی تلوار اس کی باتیں ہیں
بیکسی میں بھی یاد آتی ہیں
کیا وفادار اس کی باتیں ہیں
کیوں چبھیں تیرے دل میں اے ناصح
کیا کوئی خار اس کی باتیں ہیں
ذکر سُن کر برا وہ کہتے ہیں؟
قابلِ دار اس کی باتیں ہیں
کیوں کرے نہ وہ سامنے میرے
کیا خطا دار اس کی باتیں ہیں
خوش بیاں کب حکیمؔ سا کوئی
گویا اشعار اُس کی باتیں ہیں

کیا جان ہی لیں گی بُتِ خودسر کی ادائیں زندہ نہیں چھوڑیں گی ستمگر کی ادائیں

یہ ناز، یہ انداز، یہ شوخی، یہ شرارت دنیا سے نرالی ہیں ستمگر کی ادائیں

اے حضرتِ دل، جن کا ہے آئینہ بھی قائل کیا شوخ ہیں اُس شوخ ستمگر کی ادائیں

ہنگامۂ محشر کو بھلا خاک وہ سمجھے؟ جو دیکھ لے اُس فتنۂ محشر کی ادائیں

کعبہ میں نہ ہے بخت نہ کیوں اسکا لیں بوسہ خالق کو پسند آتی ہیں پتھر کی ادائیں

قاتل تو ابھی وار نہ کر۔ اور ٹھہر جا ہم دیکھ رہے ہیں ترے خنجر کی ادائیں

یارب! دلِ مضطر مرا کیا خُلد میں بہلے جب ہیں مری نظروں میں کسی گھر کی ادائیں

تم دیکھنا خوں سیکڑوں ہوں گے سرِ مقتل یہ کہتی ہیں قاتل ترے خنجر کی ادائیں

بن جاؤں حکیم آئنہ قسمت سے اگر میں
ہر وقت ہی دیکھوں بُتِ خودسر کی ادائیں

کچھ صدا آئی جو اُن کی کان میں
آ گئی بس جان میری جان میں
قیمتِ دل مجھے بھی دیجے میری جاں
آئے جو کچھ آپ کے ایمان میں
یا بُلائیں مجھ کو یا خود آئیں وہ
جان جائے گی اسی ارمان میں
اُن سے سننا ہے مجھے حالِ عدو
بن گیا ہوں اس لئے نادان میں
چھیڑ دیکھو پوچھتے ہیں مجھ سے وہ
سچ کہو رہتے ہو کس کے دھیان میں
غیر کے مرنے پہ حیرت کیوں ہوئی
بندہ پرور کچھ نہیں انسان میں
عاشقانہ ہر غزل ہے اے حکیمؔ
کوئی دیکھے تو مرے دیوان میں

کیا کہوں تجھ سے کہ ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں
حضرتِ دل تری محفل میں مچل جاتے ہیں

ہمکو مرنے کا نہیں رنج فدا بھی خوش ہیں
جب ہمیں اس نے بلایا ہے اچھل جاتے ہیں

وقتِ نزع کوئی افسوس مرے پاس نہیں
دوست بھی ہیچ ہے بے وقت ہیں ٹل جاتے ہیں

آئینہ پیشِ نظر رکھتے ہیں تنہائی میں
کوئی آتا ہے تو فوراً وہ سنبھل جاتے ہیں

سائلِ وصل ذرا ان سے کوئی ہو تو سہی
دیکھئے کیسے بگڑتے ہیں بدل جاتے ہیں

وصل کی خاک ہو مجھکو دلِ مضطر امید
نام سنتے ہی مرا جبکہ وہ جل جاتے ہیں

وہ نہیں آتے نہیں آئیں بلا سے ہمدم
اب تصور ہی سے ہم ان کے بہل جاتے ہیں

دوستی پر نہیں آئے گا کبھی ان کا مزاج
گیسوؤں کے دلِ مضطر کہیں بل جاتے ہیں

کیا کہوں حالِ شبِ وصل کا تجھ سے میں حکیم
جب کہا اس نے خبردار سنبھل جاتے ہیں

بلبل و گل تمہیں جب غنچہ دہن کہتے ہیں
کیا بُرائی ہے جو ہم رشکِ چمن کہتے ہیں

تم نہیں جانتے جو پوچھتے ہو یہ مجھ سے
وصل کیا شے ہے کسے رنج و محن کہتے ہیں

مر گئے ہم اسی حسرت میں کہ منہ سے بولیں
وہ اشاروں سے غضب بہرِ کفن کہتے ہیں

اپنی تقدیر کو روتے ہیں بری تو یہ ہے
کب بُرا ہم تجھے اے چرخِ کہن کہتے ہیں

پھر سنوں گا میں نصیحت یہ بتا دے ناصح
عشق کس چیز کو اے مشفقِ من کہتے ہیں

میں بُرا ہوں تو جہاں مجھ کو بُرا کہتا ہے
جو بھلا ہو اُسے سب نیک چلن کہتے ہیں

کیا غضب ہے نہیں معلوم تجھے یہ بھی حکیمؔ
حضرتِ داغؔ کو کیوں شاہِ سخن کہتے ہیں

کیا میں یہ بتاؤں تمہیں میں کون ہوں کیا ہوں
ہاں معتقدِ داغ ہوں شاگردِ رسا ہوں

کیوں پوچھتے ہو مجھ سے بتا تو مجھے کیا ہوں
ہر بات پہ جب کہتے ہو آفت ہوں بلا ہوں

کیا کم ہے ترا پاسِ ادب پردہ نشیں ہے
مر جاؤں مگر ہجر میں تیرے نہ کراہوں

اس بات کو کیا جانے کوئی زاہدِ ناداں
کس واسطے میں اس بتِ کافر پہ فدا ہوں

احباب مجھے مفت میں کیوں کرتے ہیں رسوا
میں اپنی فضل سے مری جان آپ برا ہوں

اس سر کی قسم مجھ سے یہ ہرگز بھی نہ ہوگا
اغیار کو تم چاہو تو پھر میں تمہیں چاہوں

کیا خوب ملے دونوں برابر کے الٰہی
وہ جانِ جفا ہیں تو ہاں میں کانِ وفا ہوں

بے وجہ برا کوئی کسی کو نہیں کہتا
جب مجھ کو برا کہتی ہے دنیا تو برا ہوں

کیا تجھ کو بتاؤں میں حکیمؔ جگر افگار
کس دھیان میں کس فکر میں کس دھن میں لگا ہوں

کیا کہیں عشق ہے کیا غنچہ دہن دیتے ہیں
دل سی شے لے کے غضب رنج و محن دیتے ہیں

اور کیا چاہیئے اس سے بھی سوا اے قاصد
تجھ کو انعام میں ہم ملکِ سخن دیتے ہیں

اے فلک تجھ کو سخی مان لے کوئی کیونکر
جو سخی ہیں وہ کہیں رنج و محن دیتے ہیں

دل اگر قابلِ سوغات نہیں ہے نہ سہی
جان ہم لیجئے اے مشفقِ من دیتے ہیں

ایسے مرنے کی تو سچ ہے نہ خوشی ہو کیونکر
اپنے ہاتھوں سے وہ عاشق کو کفن دیتے ہیں

شوق سے داغِ تمنا تو دئے جا ہمکو
ہم دعائیں تجھے اے چرخِ کہن دیتے ہیں

سیکڑوں حجتیں ہوتی ہیں ہزاروں جھگڑے
ایک بوسہ کہیں جب غنچہ دہن دیتے ہیں

میں نہیں جانتا کیا بات ہے کیا باعث ہے
کیوں دعائیں مجھے سب اہلِ وطن دیتے ہیں

بعدِ مردن مری میت پہ وہ آئے جو حکیم
تو یہ بولے کہیں ایسوں کو کفن دیتے ہیں

ان سے میں ہجر کا اظہار کروں یا نکروں
وصل کی فکر دلِ زار کروں یا نکروں

مجھ سے کہتا ہے ستمگار کروں یا نکروں
تیرِ مژگاں کا بتا وار کروں یا نہ کروں

شادیِ وصل میں غم ہو نہ فلک ڈرتا ہوں
طالعِ خفتہ کو بیدار کروں یا نہ کروں

عاشقِ ابروئے خمدار بنوں یا نہ بنوں
اپنے قبضہ میں یہ تلوار کروں یا نکروں

تمہیں انصاف سے کہہ دو تمہیں منصف ٹھہرے
کیوں مری جان ہیں تمہیں پیار کروں یا نکروں

وہ کریم اور شفاعت کو محمدؐ اے دل
پھر میں اپنے کو گنہگار کروں یا نہ کروں

یہ بھی منظور مری جان تمہیں ہے کہ نہیں
کہئے نالے پسِ دیوار کروں یا نکروں

ہجر میں آہ و فغاں درد و الم میں نالے
یہ تو فرمائیے سرکار کروں یا نکروں

مشورہ دیجئے اس باب میں کچھ مجھ کو حکیم
ان سے میں شکوۂ اغیار کروں یا نہ کروں

کھٹکتے رہتے ہیں ہر دم مرے یوں خار پہلو میں
ہمیشہ دیکھتا ہوں آپ کے اغیار پہلو میں

جو سویا شب کو میرے وہ بتِ عیار پہلو میں
تو کیا کیا شاد ہوتا تھا دلِ بیمار پہلو میں

شبِ وعدہ مرے ارمان نکلیں کس طرح یا رب
کہ جب رنج و الم کی ہے کھڑی دیوار پہلو میں

تری محفل میں ظالم ہم نے یوں دیکھا رقیبوں کو
اگر ہیں سامنے دس پانچ تو دو چار پہلو میں

غم و رنج و الم یاس و تمنا حسرت و ارماں
یہ ہیں سب کام کے دل ہے مگر بیکار پہلو میں

نہ گھبرا اس قدر کچھ صبر کی امید ہے ہم کو
کسی دن وہ بھی ہوں گے اے دلِ بیمار پہلو میں

مری جاں وصل کی شب اور ان جھگڑوں سے کیا حاصل
غضب کی بات ہے کرتے ہو تم تکرار پہلو میں

تمنا دل کی پوری ہو مری امید بر آئے
اگر آ جاؤ تم جانِ جہاں اک بار پہلو میں

حکیمِ خوش بیاں کی کہنا قاصد یہ تمنا ہے
سنو تم غور سے اور وہ پڑھے اشعار پہلو میں

کمبخت کیوں کہوں کہ بُتِ بیوفا کا ہوں
زاہد قسم خدا کی میں بندہ خدا کا ہوں

خنجر بھی ناز کی سے سنبھالا نہیں گیا
کہتے ہیں کیوں ابھی یہ میں قاتل بلا کا ہوں

وہ آئیں یا نہ آئیں نہیں اس کا انتظار
ہیں منتظر مگر شبِ وعدہ قضا کا ہوں

اس فتنہ گر کے دل میں یہ تاثیر کہ گئی
ممنون اس لئے دلِ مضطر دعا کا ہوں

بس اس پہ مجھ سے اور وہ ناراض ہو گئے
اُن سے جو یہ کہا کہ میں طالب وفا کا ہوں

ان سے سوالِ وصل جو کہتا ہوں میں کبھی
کہتے ہیں یہ نہ ہوگا میں پتلا حیا کا ہوں

کیا خاک پھر سنوں میں بھلا ذکرِ سادگی
عاشق حکیمؔ جب کسی رنگیں ادا کا ہوں

دیکھو دیکھو دل لگی اچھی نہیں
یہ قیامت کی ہنسی اچھی نہیں
نامہ بر پوچھیں طبیعت کا جو حال
تو یہ کہہ دینا ابھی اچھی نہیں
حضرتِ دل اُن کا کہنا سچ تو ہے
دل لگی ہر وقت کی اچھی نہیں
ورنہ مے نقصان دیتی تجھ کو کیوں
ہائے زاہد تو نے پی اچھی نہیں
غیر سے کہتے ہیں پوچھو اُن سے یہ
کیوں طبیعت آپ کی اچھی نہیں
حضرتِ واعظ تو کیا اس بت کی بات
آپ کے دل کو لگی اچھی نہیں
یہ غزل تو نے حکیمؔ خوش بیاں
کون کہتا ہے لکھی اچھی نہیں

پھول وہ کیا مری تربت پہ چڑھاتے ہیں
اور سوتی ہوئی حسرت کو جگا دیتے ہیں

یہ تو فرمائیے کیا اہلِ وفا دیتے ہیں
گالیاں سن کے بھی کمبخت دعا دیتے ہیں

طلبِ بوسہ پہ جھنجھلا کے یہ اون کا کہنا
کیوں مرے جاتے ہو ٹھہرو تو ذرا دیتے ہیں

مشورہ عشق و محبت میں جو دیتا ہے کوئی
ہاں میں ہاں حضرتِ دل اور ملا دیتے ہیں

تیری باتوں میں بھی سحر کہ وہ نہیں ہو ظالم
جو تسلّی ترے اندازِ جفا دیتے ہیں

طعنۂ الفتِ دشمن پہ بگڑ کر بولے
آپ تو مفت کے الزام لگا دیتے ہیں

حشر میں داورِ محشر سے انہیں کیا مطلب
وہ خطا وار کو خود اپنے سزا دیتے ہیں

یہ تو مانا کہ جہاں کو بھلا ہے تجھ کو
ہم تو لیکن دلِ بیتاب دعا دیتے ہیں

کیا سبب ہے کہ جو وہ پوچھتے ہیں مجھ سے حکیم
مرضِ عشق کی کیا آپ دوا دیتے ہیں

کہہ دیں ہزار میں کہ یہ تم سے نہ ہم سے ہیں
جھگڑے تمام یہ دلِ مضطر کے دم سے ہیں

کیا وجہ ہے عتاب کی معلوم بھی تو ہو
کہئے تو آپ کس لئے ناراض ہم سے ہیں

ہونگی کسی کو جور و جفا کی شکایتیں
واللہ ہم تو شاد تمہارے ستم سے ہیں

پوچھیگا کوئی بھی نہ ترے بعد پھر انہیں
سرسبز حسن و عشق ترے دم قدم سے ہیں

کل تک نویدِ وصل سے بشاش تھے مگر
بیتاب آج حضرتِ دل درد و غم سے ہیں

اس بات کا جواب تو تم دو ذرا ہمیں
عاشق تمہارے اور بھی کیا کوئی ہم سے ہیں

بیشک انہیں کے واسطے کون و مکاں بھی ہیں
آزردہ اے حکیم جو فکرِ عدم سے ہیں

تیغِ الفت تمسے وہ وار ہوئے ہیں کہ نہیں
ٹکڑے ٹکڑے دلِ اغیار ہوئے ہیں کہ نہیں

فتنۂ حشر تری چال سے تو کیا جانے
کچھ قیامت کے بھی آثار ہوئے ہیں کہ نہیں

اونکی اس چھیڑ سے جی جلتا ہے دم گھٹتے ہیں
کہئے کچھ غیر سے اقرار ہوئے ہیں کہ نہیں

اے لبِ یار تجھے میری قسم یہ تو بتا
غیر سے وصل کے اقرار ہوئے ہیں کہ نہیں

میری تحریر سے اے نامہ رسا یہ تو بتا
رنجشِ غیر کے آثار ہوئے ہیں کہ نہیں

شاکیٔ دردِ محبت ہو زمانہ اب تو
پہلے وقتوں میں یہ آزار ہوئے ہیں کہ نہیں

کاش مل جائے وہ تنہا تو میں اتنا پوچھوں
غیر تیرے بتِ عیار ہوئے ہیں کہ نہیں

شکوۂ جور و جفا پہ یہ کہا ظالم نے
اور معشوق ستمگار ہوئے ہیں کہ نہیں

اب کہاں داغؔ و رساؔ جس سے یہ ظاہر ہو حکیمؔ
قابلِ داد یہ اشعار ہوئے ہیں کہ نہیں

اف رے مستِ غرور کی آنکھیں
بے پیئے ہیں سرور کی آنکھیں

پاس آؤ تو دیکھ لیں ہم بھی
دیکھیں کیا اتنی دور کی آنکھیں

دیکھئے کیا غضب دکھاتی ہیں
اوس سراپا غرور کی آنکھیں

لڑ نہ جائیں تمہاری آنکھوں سے
عاشقِ ناصبور کی آنکھیں

دیکھنے کو ترس گئیں اُن کے
بندۂ بے قصور کی آنکھیں

چشمِ نرگس بھی جن کی شیدا ہے
ہائے اُس رشکِ حور کی آنکھیں

جلوۂ یار کی جھلک سے حکیمؔ
کھل گئیں کوہِ طور کی آنکھیں

وہ کریں ہم سے ناز کی باتیں — ہیں یہ اہلِ نیاز کی باتیں
دیکھئے غیر سے نہ کہہ دیجئے — بندہ پرور یہ راز کی باتیں
خواب میں بھی تو یاد آتی ہیں — مجھ کو بندہ نواز کی باتیں
ہم سمجھتے ہیں غیر کیا سمجھیں — تیری راز و نیاز کی باتیں
غیر ممکن ہے صاف ہوں ہم سے — اُس بتِ حیلہ ساز کی باتیں
چاہتا ہے کہ جلد مر جاؤں — دیکھ لیں چارہ ساز کی باتیں
دین و دنیا میں کام آتی ہیں — یا الٰہی نماز کی باتیں
جان جائیں تو لطف آجائے — ناز والے نیاز کی باتیں

دربدر ہو حکیمؔ یوں رسوا
ہیں یہ عشقِ مجاز کی باتیں

و

دعائیں کیوں نہ دوں میں یا الٰہی چشمِ پرنم کو
بجھایا ہے اسی نے بیکسی میں آتشِ غم کو

اٹھا کر کوئی رکھدے باغِ جنت میں جہنم کو
کہاں لیجائیگا زاہد وگرنہ آتشِ غم کو

کہوں کیا ہائے میں وہ کشتۂ یاس و تمنا ہوں
کہ دیکھو بیکسی پر میری ہنسی آتی ہے ماتم کو

کہونگا دیکھنا یہ داغہائے غم سے محشر میں
مزہ جب ہے کہ اے خورشیدِ محشر کی طرح چمکو

وہ عاصی ہوں اگر بخشا گیا اے داورِ محشر
جلیگی مجھ سے جنت اور غم ہوگا جہنم کو

کبھی زلفوں کی تیری جا سکے ممکن نہیں ظالم
نکالیگا بھلا کیا دستِ شانہ اسقدر خم کو

ہمارا مونس و غمخوار ہے یہ بیکسی میں بھی
غنیمت تجھ سے ظالم ہم سمجھتے ہیں ترے غم کو

بھلا کہنے سے اس کے فائدہ کیا کون ہے کیا ہیں
زمانہ جانتا ہے خود حکیمِ خوش بیاں ہم کو

زلفِ رخ پر جو بکھرتے ہیں بکھر جانے دو — خطرۂ صبح و مسا شام و سحر جانے دو
مجھ کو منظور ہے مرنا مجھے مر جانے دو — چارۂ زخمِ دل و دردِ جگر جانے دو
یہ بھی کچھ وقت ہے فرماتے ہو گھر جانے دو — وصل کی شب تو مری جان گذر جانے دو
مخلصی زیست کے جھگڑوں سے تو مل جائیگی — زہر کھانے سے نہ روکو مجھے مر جانے دو
ضبط کہتا ہے کہ نالے نہ زباں سے نکلیں — تیر بن بن کے کلیجہ میں اتر جانے دو
چار دن بعد یہ جوبن نہ رہے گا تم پر — ہم دکھا دیں گے جوانی تو گذر جانے دو
دل تو گھر رکھا ہے وابستۂ کاکل تم نے — مجھ سے کہتے ہو کہ چھوڑو مجھے گھر جانے دو
کم سنی ہے یہ نہیں وقت خود آرائی کا — رنگ جوبن کا ذرا اور نکھر جانے دو
خیر ہو دیکھئے کہتے ہیں یہ وعدے انکے — ہم نہ مکرینگے وہ مکریں تو مکر جانے دو
میں بھی دیکھوں کہ نہیں ہوتے یہ کیونکر مقبول — تم دعا کو مری تا بابِ اثر جانے دو

کہہ گئی شرم و حیا اونچی جوانی سے حکیم
اب نہ آئیں گے کبھی آپ کے گھر جانے دو

نہ اپنی وصل میں تصویر دیکھو
مجھے دیکھو، مری تقدیر دیکھو

ہوا ہے خواب میں کل وصل تم سے
ذرا اس کی تو تم تعبیر دیکھو

لیا اس دیوانگی پر اپنے صدقے
لئے پھرتے ہیں وہ زنجیر دیکھو

مری قسمت پہ کیوں روتے ہو یارو
نوشتہ کاتبِ تقدیر دیکھو

مگر تھامے ہوئے وہ آرہے ہیں
ہماری آہ کی تاثیر دیکھو

عدو کی جعلسازی پر خفا ہو
کہاں ہے یہ مری تحریر دیکھو

ستم تھا وصل میں ان کا یہ کہنا
حکیم اپنی ذرا تصویر دیکھو

ہائے دل میں مرے کون ہے پنہاں تم ہو
دیکھو دیکھو تو سہی غور سے ہاں ہاں تم ہو

سب کی سنتے ہو مگر کرتے ہو اپنے دل کی
کون کہتا ہے مری جان کہ ناداں تم ہو

زندگی ہی میں مری قدر نہ کیوں کی تم نے
بعدِ مردن مری تربت پہ جو نالاں تم ہو

کیا ہوا آج ذرا یہ تو بتا دو مجھکو
صورتِ زلفِ پریشاں جو پریشاں تم ہو

چرخ کا نام تو بدنام ہے ناحق ورنہ
واقعی دشمنِ جاں دشمنِ ایماں تم ہو

میں نہ مانوں گا کہا غیر کا تم مان گئے
ورنہ کیا بات ہے ایسی جو پشیماں تم ہو

جب کہا غیر کے گھر جاؤ گے جل کر بولے
کیا غرض تمکو کوئی میرے نگہباں تم ہو

بسندہ پردہ یہ جوانی نہ رہی ہے نہ رہے
کس لئے اس پہ بتا دو مجھے نازاں تم ہو

خود ہی کافر ہے جو کہتا ہے کہ کافر ہو حکیم
ہم ہزاروں میں یہ کہدیں کہ مسلماں تم ہو

محشر میں جو اُس کا طرفدار خدا ہو
پھر اس دلِ بیتاب کا انصاف بھی کیا ہو

کہتے ہیں اگر میرے سے مری آہ رسا ہو
ممکن ہے کہ پہلو میں نہ وہ ماہ لقا ہو

میں نے جو کہا لطف ہو جب، تم مجھے چاہو
فرمایا کہ اس چاہ سے حاصل تمہیں کیا ہو

دنیا میں تو ہر روز ملا کرتے ہو لیکن
محشر میں ملو مجھ سے مری جاں تو مزا ہو

مجبور مجھے کر دیا اظہارِ الم سے!
کمبخت شبِ ہجر کا اے ضعف برا ہو

ایمان کی یہ ہے کہ کوئی بات نہ پوچھے
اے دل نہ حسینوں میں اگر نازِ ادا ہو

مجھ سے کوئی پوچھے تو مری جان میں بتلاؤں
جز میرے کوئی تم کو یہ کیا جانے کہ کیا ہو

گو کوئی برا چاہے ہمارا کہ نہ چاہے
اپنی تو دعا ہے کہ زمانہ کا بھلا ہو

انساں کو حکیمؔ اس نے بنایا ہے عجب چیز
انسان سے ممکن ہی نہیں شکرِ خدا ہو

کہوں میں اور کیا اس کے سوا تم سے کہ کیا تم ہو
مریضانِ محبت کی دوا تم ہو، شفا تم ہو

دلِ مضطر کے نالے ہونٹ پہ رنگ لائے ہیں
اسی سے میری جاں کھولے ہوئے بندِ قبا تم ہو

تڑپ جاتا ہے دل ہمدم مجھے جب یاد آتا ہے
کسی کا ہائے یہ ہر بات پر کہنا کہ کیا تم ہو

تمہاری بندگی ہم کیوں کریں ہم کو ضرورت کیا
بتو بتادو کیا ہمارے کچھ خدا تم ہو

دلِ مشتاق اُن کا یہ سخن تو نہیں سمجھا
جو وہ ہر بار فرماتے ہیں مجھ سے کیا خفا تم ہو

کہو تو ہم کہیں، یا نہ کہیں، دنیا تو کہتی ہے
ستمگر ہو، قیامت ہو، غضب ہو، بیوفا تم ہو

مجھے چُپ دیکھ کر وہ اے حکیم خستہ جاں بولے
کہو پھر مدعا کیا ہے سراپا مدعا تم ہو

آپ کو جب سے پسند آیا ہے داغِ آرزو
اللہ اللہ عرش پر ہے اب دماغِ آرزو

آپ نے دیکھا ہے کیا جب سے کہ داغِ آرزو
بندہ پرور اب نہیں ملتا دماغِ آرزو

کیوں نہیں آتی الٰہی بوئے داغِ آرزو
کر دیا کیا گل ستمگر نے چراغِ آرزو

ایک مدت سے ہوں میں اُنکی تلاش و فکر میں
کیا کروں ہمدم۔ نہیں ملتا سراغِ آرزو

اب کہاں ملتا ہے جب سے ہے تمہیں اسکا خیال
بندہ پرور آسماں پر ہے دماغِ آرزو

مجھ سے شہرت ہے ترے حسن و ادا و ناز کی
تجھ سے روشن ہے مرے دل کا چراغِ آرزو

عاشقوں کی یہ تمنائے دلی ہے اے حکیم
حشر تک جلتا رہے یونہی چراغِ آرزو

۵

آمیں کہو حکیمؔ مری اس دُعا کے ساتھ
جنت میں جاؤں شافعِ روزِ جزا کے ساتھ

جائے گی اپنی جان یقیں ہے جفا کے ساتھ
ہم بھی عذاب میں ہیں دلِ مبتلا کے ساتھ

تدبیر سہل ہے یہ شفا کی جو ہو سکے
یارو ذرا سا زہر کھلا دو دوا کے ساتھ

لینے کے اور ڈھنگ ہیں تم جانتے نہیں
کیا دل لیا اگرچہ لیا بھی دغا کے ساتھ

ہر بات میں ہے ذکر مری جان غیر کا
آئے تو آپ لائے یہ جھگڑا لگا کے ساتھ

راز و نیاز وصل کے تم جانتے نہیں؟
کیا لطف ہے جو آئے حیا بھی ادا کے ساتھ

تیرے یہی جو طور رہے اے غمِ فراق
جانا پڑے گا مجھ کو یقیں ہے قضا کے ساتھ

مقبول ہو گئیں، ہمیں ہرگز یقیں نہیں
جب دشمنی اثر کو ہے اپنی دعا کے ساتھ

کہتے ہیں اپنے دل سے یہ ہم بزمِ یار میں
پچھتائے ہم خدا کی قسم تجھ کو لا کے ساتھ

کعبہ میں تم بتوں کو چلے ڈھونڈنے حکیمؔ
افسوس یہ فریب تمہارے خدا کے ساتھ

میں نے جو کہا کیجے کرم اور زیادہ
فرمایا کہ کیا چیز ہے کم اور زیادہ

امید تھی یہ ہوگا کرم اور زیادہ
اُس بُت نے کیا ہائے ستم اور زیادہ

توبہ کا بھلا ہو کہ کسی شوخ نے زاہد
دے دے کے پلائی ہے قسم اور زیادہ

ناکامیٔ قسمت کا بُرا ہو کہ الٰہی
کھویا مرے نالوں کا بھرم اور زیادہ

کیا ابروئے خمدار سے کیوں لے دلِ ناداں
کچھ ہوتا ہے تلوار میں خم اور زیادہ

دل دیتا ہوں میں آپ کو لے لیجئے لیکن
توفیق نہیں اس سے صنم اور زیادہ

کیا عالمِ فانی کہ نہیں جس کا ٹھکانہ
آباد ہے اس سے بھی عدم اور زیادہ

ہر آن کی تشویش سے مر جائے گا زاہد
کمبخت نہ کر فکرِ عدم اور زیادہ

فرصت ہے حکیم ہم کو نہیں فکر و الم سے
پھر کیسے کریں خاکہ رقم اور زیادہ

تیری دغا کے ہاتھ نہ تیری وفا کے ہاتھ
عزت ہے اب تو اے بتِ کافر خدا کے ہاتھ

جاتا رہا جو وہ بتِ بے درد آ کے ہاتھ
دونوں جہاں سے بیٹھ رہے ہم اٹھا کے ہاتھ

اک وار کیجیے تو سہی کچھ بڑھا کے ہاتھ
دیکھیں تو ہم بھی آپ کی تیغِ جفا کے ہاتھ

تم ہاں، نہیں، نہیں، ہمیں ہرگز یقیں نہیں
کیا قتل کر سکیں گے یہ ناز و ادا کے ہاتھ

اے جذبِ شوق ابھی بھی کیا کوئی چال ہے
مجھ سے ملا رہے ہیں جو وہ مسکرا کے ہاتھ

کیا بات ہے وہ کہتے ہیں جو منتوں سے یہ
یارب اثر نہ آئے کسی کی دعا کے ہاتھ

انساں ہوں لاکھ لاکھ اگر بحرِ عشق ہے
کر دیں جو نوحؑ پار الٰہی لگا کے ہاتھ

پہنچ ہے کہ اس کی دین کا کچھ ٹھیک ہی نہیں
موسیٰؑ بجا ہے یہ کہ ہیں لاکھوں خدا کے ہاتھ

اس بدگماں کو ہوں نہ کہیں بدگمانیاں
مانگوں دعا حکیم بھلا کیا اٹھا کے ہاتھ

ی

ہمیں اس سے غرض کیا تُو نے جس پر کی ستمگر کی
ہمارے حال پر کیا مہربانی خاک پتھر کی

الٰہی آبرو رکھ لے ہمارے حُور پیکر کی
مقابل آئینہ ہے اب تو چوٹیں ہیں برابر کی

عجب حالت ہے کچھ اے نوحؔ اپنے دیدۂ تر کی
حقیقت ہی نہیں ہے جس کے آگے کچھ سمندر کی

عبث ہے گر شکایت میں کروں چرخِ ستمگر کی
دکھائے دیکھئے کیا کیا مجھے گردش مقدر کی

کسی کا ہائے ذکرِ دادخواہی پر یہ کہہ دینا
ہمیں کیا دھمکیاں دے گا کوئی کہئے تو محشر کی

یقیں ہے حضرتِ دل کچھ نہ کچھ تو کامیابی ہو
اگرچہ عشق میں تقدیر مل جائے سکندر کی

تعجب ہے کہ ہم سے اور یہ رنجش قیامت کی

خط بھی کون سی کہئے تو ہم نے بندہ پرور کی
مرے گھر واقعی سچ ہے کہ تم آؤ تو کیا آؤ
تمہیں غیروں سے فرصت بھی کہیں ملتی ہو دم بھر کی

انہیں شوقِ شہادت کیا جو مقتولِ تمنا ہیں
ضرورت ہی نہیں کچھ ان کو قاتل تیغ و خنجر کی

یہ مانا تجھ کو وصلِ غیر سے انکار ہے لیکن
شکن کچھ اور کہتی ہے ستمگر تیرے بستر کی

زمانہ پر سہی گو مہرباں تو کیا غرض ہم کو
ہمارے حال پر بھی کچھ عنایت اے ستمگر کی

ہوئی ہے اس قدر پامال تیری چال سے ظالم
قیامت تیرے کوچہ سے نہ دم بھر کو کہیں سرکی

حکیمِ خستہ جاں بادہ کشوں کا حال کیا کہیے
ہمیشہ ان میں دیکھا ہے اڑا کرتی ہے بے پر کی

مجھ کو ہرگز غمِ فرقت سے نہ فرصت ہوگی
گر یہی آنکھ، یہی دل، یہی حسرت ہوگی

جب تجھے اُس بُتِ عیار سے الفت ہوگی
ہم سے اے دل تری کیا خاک حفاظت ہوگی

عشق میں ان کے دلِ زار ندامت ہوگی
نان کمبخت کہا دیکھ قیامت ہوگی

بے کسی خاک مجھے قبر میں راحت ہوگی
جب اُنہیں مجھ سے یہی رنج و عداوت ہوگی

خانۂ دل کو مرے آپ نہ ویراں سمجھیں
دیکھیے آپ کی اس میں کوئی حسرت ہوگی

تیرے انداز سے پڑ جائے گی ہل چل ظالم
تیری رفتار سے محشر میں قیامت ہوگی

شکوۂ ظلم سے اے داغ مگر جائیں گے
اس سے تو اور شبِ وصل میں حجت ہوگی

وہ نہ آئیں گے۔ نہ آئیں۔ یہ بتا دیں لیکن
حشر تک بھی نہ سحر کیا شبِ فرقت ہو گی

میرے اس آئینۂ دل میں حسیں ہیں لاکھوں
آپ دیکھیں تو سبھی آپ کو حیرت ہو گی

شوق سے قتل کریں آپ اٹھائیں خنجر
آپ گھبرائیں نہیں آپ کی شہرت ہو گی

دیکھنا روزِ جزا آہ سے میری برپا
حشر میں حشر، قیامت میں قیامت ہو گی

نہ دیا اُس مرے دلدار نے جو خط کا جواب
نامہ بر اس میں کوئی تیری شرارت ہو گی

نامہ بر سیکڑوں بھیجے ہیں وہاں ہم نے حکیم
یہ سمجھ کر کہ اُنہیں کچھ تو محبت ہو گی

وہ قیامت کی چال ہے اس کی — کہ قیامت مثال ہے اس کی
کچھ عجب چال ڈھال ہے اس کی — ہر ادا بے مثال ہے اس کی
جھوم جاتے ہیں دیکھنے والے — کتنی مستانہ چال ہے اس کی
حشر میں حشر کر دیا برپا — کس قیامت کی چال ہے اس کی
سُن کے وہ حال میرے مرنے کا — بولے اس میں بھی چال ہے اس کی
کیوں نہ محشر بپا ہو وقتِ خرام — فتنۂ حشر چال ہے اس کی
نامہ پر اس نے حال تو پوچھا — مہربانی کمال ہے اس کی
اِک نظر میں اڑا لیا دل کو — کیا غضب دیکھ بھال ہے اس کی
حالِ بیمارِ غم کا کیا کہیئے — خود ہی صورت سوال ہے اس کی
آج بھی۔ ہو رہی ہے برسوں سے — خوب تھا صدیہ ٹال ہے اس کی
حور میں یہ خرامِ ناز کہاں — اور ہی چال ڈھال ہے اس کی
ابتدا عشق کی تو دیکھ چکے — اب تو فکرِ مآل ہے اس کی
آپ کا شکر اور میری زباں — کر سکے کیا مجال ہے اس کی

کیا سُنو گے حکیمؔ کا تم حال
داستاں پُر ملال ہے اس کی

پسندِ خاطرِ گل ہو گئی طرزِ فغاں میری
شکایت بلبلوں کی باغ میں ہے داستاں میری

گریباں کہہ رہا ہے خیر میں کس کے لئے مانگوں
کہ پہلے دامنوں سے اڑ چکی ہیں دھجیاں میری

ادائیں یاد کرنے کی بھی گویا ستمِ قاتل ہیں
مجھے جانبر نہ ہونے دیں گی پیہم ہچکیاں میری

دمِ زینت یہ عکسِ آئینہ سے باتیں ہوتی ہیں
قیامت ہو گئی ہیں خیر ہو اب شوخیاں میری

رہا بعدِ فنا بھی تلخ کامی کا اثر یا رب
ہُما نے بھی نہ مُنہ پر ہائے رکھیں ہڈیاں میری

دمِ رخصت کسی کا منتوں سے مجھ سے یہ کہنا
خدا کے واسطے دیکھو نہ ہوں بدنامیاں میری

زمانہ پہ یہ مانا سیکڑوں احساں کئے تو نے
نکالی کوئی حسرت بھی مگر اے آسماں میری

جُدا ہو اے غمِ فرقت ترا، دونوں پریشاں ہیں
وہی حالت وہاں اُنکی ہے جو حالت یہاں میری

مرے ہر شعر کے ہر لفظ میں اظہارِ الفت تھا
غزل وہ کیوں نہ سُنتے اے حکیم خوش بیاں میری

یہ کہنے کی تھی دلربا کی تو ہوتی — مرے دردِ دل کی دوا کی تو ہوتی
معافی تو میں آپ سے مانگتا جب — کہ میں نے کبھی کچھ خطا کی تو ہوتی
مرے سوگ میں گرچہ بدنامیاں تھیں — مگر خوب شہرت قضا کی تو ہوتی
یہ بے وجہ کیوں مجھ پہ خفگی ہے ظالم — کوئی میری ثابت خطا کی تو ہوتی
عیادت کے حیلے سے آکر مرے گھر — ادا تم نے رسمِ وفا کی تو ہوتی
وفا کی شکایت تو کچھ بھی نہیں ہے — ستمگر نے مجھ پر جفا کی تو ہوتی
میں بچتا نہ بچتا یہ تقدیر میری — دمِ نزع تم نے دعا کی تو ہوتی
سنائیں جو محفل میں تم نے ہزاروں — مروّت مری جاں ذرا کی تو ہوتی
وہ بُت سائلِ وصل سے کہہ رہا ہے — یہ کیا ہائے یادِ خدا کی تو ہوتی

سرِ قبرِ عبرت حکیم آج بولے
کبھی تو نے فکرِ فنا کی تو ہوتی

پھر نہ کہنے گا کہ کیا بھر کے نظر دیکھیں گے
آپ جب دیکھنے والوں کا جگر دیکھیں گے

ظلم ہے یہ جو ہمیں بھر کے نظر دیکھیں گے
ہم تو اُن دیکھنے والوں کا جگر دیکھیں گے

شام ہی سے یہ شبِ وصل قیامت کیا ہے
جو وہ کہتے ہیں کہ ہوتے ہی سحر دیکھیں گے

کچھ نہ کچھ رحم یقیں ہے اُنہیں آجائے گا
میری حالت جو وہ اے دیدۂ تر دیکھیں گے

کس طرح ہائے دکھاؤں کہ دکھانے کا نہیں
اس پہ مچلے ہیں کہ ہم زخمِ جگر دیکھیں گے

وائے تقدیر نہ اِک پھول بھی آیا افسوس
نخلِ الفت میں توقع تھی ثمر دیکھیں گے

کچھ نہ کچھ بات حکیم اس میں نظر آئے گی
غور سے آپ یہ دیوان اگر دیکھیں گے

کوئی جلوہ دکھائے جاتا ہے | غش پہ غش ہم کو آئے جاتا ہے

مجھ سے وہ عرضِ وصل پہ بولے | تو تو مطلب کی گائے جاتا ہے

وہ تبسم بھی کیا قیامت ہے | دل پہ بجلی گرائے جاتا ہے

تجھ سے تیرا خیال ہے بیباک | بے حجابانہ دل میں آئے جاتا ہے

ان کو میرا خیال کچھ بھی نہیں | جن کا غم مجھ کو کھائے جاتا ہے

گھر جو جاتا ہے میکدہ سے شیخ | کچھ بغل میں دبائے جاتا ہے

دل بھی آنے میں ایک ضدی ہے | جب یہ آتا ہے آئے جاتا ہے

نزع میں جان لب پہ آئی ہے | تو بھی کس وقت ہائے جاتا ہے

دل مرا تیری تیغِ ابرو سے | مار پر وار کھائے جاتا ہے

دیکھ کر نبض پوچھتے ہیں حکیم
کس کا غم تجھ کو کھائے جاتا ہے

سنا ہے حسن یوسف اور لیلیٰ دیکھی بھالی ہے / خدا نے ان کی صورت نور کے سانچے میں ڈھالی ہے

نہ پوچھو یہ خدا نے رسمِ الفت کیوں نکالی ہے / کہ اس کا کام کوئی بھی بھلا حکمت سے خالی ہے

کہا کیا یہ کہ حسرت اِک زمانہ کی نکالی ہے / دلِ بیتاب کی بھی کچھ مرے تم نے دعا لی ہے

مری جاں تمکنت سے اور یوں پنجوں کے بل چلنا / بھلا کہیئے تو یہ بھی کوئی طرز پائمالی ہے

زمانہ میں کسی کا دل کسی سے بھی نہیں ملتا / ستمگر تو نے رنجش کی بنا کچھ ایسی ڈالی ہے

سرِ محفل رکھا ہے آئینہ اب دیکھ کر کہیئے ؟ / اسی کا نام یکتائی، اسی کا بے مثالی ہے

اگر مرگِ عدو کا غم نہیں تو اور پھر کیا ہے / وگرنہ غمزدہ سی تم نے صورت کیوں بنالی ہے

بلا سے تو اگر برگشتہ ہم سے ہے تو ہو، کیا غم / بُتِ کافر خدا بھی مگر اللہ والی ہے !

دلِ بیتاب وہ ہو کر رہے گا جو بھی ہونا ہے / قیامت بھی بپا ہو جائیگی گر ہونے والی ہے

حکیم نکتہ داں فکر و الم کی اب عنایت ہے
نہ وہ مضموں نگاری ہے نہ وہ نازک خیالی ہے

تو نے طرزِ جفا نکالی ہے
میں نے رسمِ وفا نکالی ہے

وصل کی رات ایسی خاموشی
یہ کہاں کی حیا نکالی ہے

بیٹھ کر دل میں چٹکیاں لینا
خوب طرزِ جفا نکالی ہے

ظلم بھی ساتھ ہے تغافل کے
یہ نئی اِک ادا نکالی ہے

اُس ستمگر کی آج برسوں میں
شرم میں نے ذرا نکالی ہے

دلربا مفت ہی میں بن بیٹھے
کوئی حسرت بھی کیا نکالی ہے

ہاں ترا اے شباب کیا کہنا
تو نے اُن کی حیا نکالی ہے

شکر صد شکر دردِ دل کی مری
کہتے ہیں کچھ دوا نکالی ہے

بزمِ جاناں میں چھیڑ چھاڑ حکیم
تو نے مردِ خدا نکالی ہے

ایسے تیرِ نظرِ یار کے ٹکڑے کر دے
دار کرتی ہے جو خود دار کے ٹکڑے کر دے

آہ تلوار نگا مار کے ٹکڑے کر دے
کر دے کر دے دلِ اغیار کے ٹکڑے کر دے

یہی ارمان، یہی شوق، یہی حسرت ہے
تیغِ ابرو سے دلِ زار کے ٹکڑے کر دے

اے زلیخا مرا یوسفؑ جو نظر آ جائے
بُتِ کافر بھی تو زنار کے ٹکڑے کر دے

شوق سے حضرتِ دل اسکے بتا دوں گا مجھے
گر عنایت ہو وہ مجھے یار کے ٹکڑے کر دے

پیار کی آنکھ سے پھر بزم میں دیکھا ان کو
جی میں آتا ہے کہ اغیار کے ٹکڑے کر دے

چند دن رنج میں تجھ پہ جائے گا آخر کس پہ
اے خدا پہلے گنہگار کے ٹکڑے کر دے

شربتِ دید پلانے سے اگر ہے انکار
فتنۂ گر تشنۂ دیدار کے ٹکڑے کر دے

دمِ آخر مری بالیں پہ وہ کیا آئے حکیم
خود ہی بے موت جو بیمار کے ٹکڑے کر دے

وہ ظالم باز آئے اب جفا سے — دُعائیں مانگتا ہوں یہ خدا سے

عجب کیا وصل ہو اُس بے وفا سے — نہیں کچھ دُور یہ شانِ خدا سے

مجھے آگاہ تو کیجیے خطا سے — مری جاں مجھ سے کیوں ہو تم خفا سے

اُٹھے کیا تم سے خنجر ذبح کے وقت — ہیں نازک ہاتھ، پھر وہ بھی ذرا سے

اُمیدِ وصل اُس سے، توبہ توبہ — جو شرما جائے خود اپنی حیا سے

تصور نے کہا ہے یہ کسی کے! — وہ شب کو آئیں گے چھپ کر حیا سے

کہا مانو، کہے دیتا ہوں تم سے — بُتو دیکھو، ڈرو اب بھی خدا سے

سمجھتا ہوں کہ یہ مکر و دغا ہے — مجھے جو آپ دیتے ہیں دلا سے

حکیم اتنا بتا بیمارِ اُلفت
ہوا بھی ہے کوئی اچھا دوا سے

داغِ فرقت ہے مجھے دے تو محبت تیری
حشر تک دل میں رہے گی یہ امانت تیری

دوست تو دوست مگر دشمنِ جاں کہتے ہیں
ہم سے دیکھی نہیں جاتی یہ مصیبت تیری!

یاد بھی تو نہیں رہتے ہیں ستم کے شکوے
دیکھ لیتا ہوں میں جب وقت کہ صورت تیری

کون کہتا ہے غضب مجھ سے جو توبہ توبہ!
حشر میں اور مری جان شکایت تیری!

گالیاں اُن سے سرِ بزم جو میں سنتا ہوں
دلِ بیتاب یہ لیکن ہے عنایت تیری!

یہ نہیں خوب توقع ہے، ہماری ہو کر!
ہو نہیں سکتی ستمگر شبِ فرقت تیری

نبض عاشق کی ترے دیکھ کے کہتے ہیں حکیم
کس کے غم میں ہوئی کمبخت یہ حالت تیری

وہ ستمگر کمال کرتا ہے
حشر کو پائمال کرتا ہے

وقتِ آخر ہے اے بُتِ کافر
حیف اب دیکھ بھال کرتا ہے

کاٹ لیتے ہیں وہ زبان اس کی
وصل کا جو سوال کرتا ہے

ہچکیاں آنے کا سبب ہے یہی
یاد وہ خوش جمال کرتا ہے

خواب میں پوچھتے ہیں وہ مجھ سے
تو مجھے کیا خیال کرتا ہے

دل مرا مفت لے گئے وہ ظالم
ہائے عُذرِ وصال کرتا ہے

جان بھی دے دو تم حکیمؔ اگر
وہ بھلا کب خیال کرتا ہے!

یہ کیا تیری آشنائی نے — مار ڈالا غمِ جدائی نے !
حسن کا اُس کے واہ کیا کہنا — دل دیا جس کو اک خدائی نے
کس نے صورت دکھائی اپنی انہیں — ہیں جو سکتے میں سارے آئینے
آج تک ہم نے جو نہ دیکھا تھا — وہ دکھایا شبِ جدائی نے
یہ بتا ہم کو زاہدِ ناداں !! — کیا دیا تجھ کو پارسائی نے
میری میت پہ آکے وہ بولے — ہائے مارا اسے جدائی نے
میکشی کے مزے سے اے واعظ — تجھ کو کھویا ہے پارسائی نے
عشق گمنام کر دیا تجھ کو ! — اُس ستمگر کی بے وفائی نے
جب گیا میں وہاں تو جان گئی — مجھ کو مارا مری رسائی نے
دل وہ ملے جاتے ہیں گر لیکن — اُن کو شرما دیا ڈھٹائی نے
بزمِ جاناں میں غیر کو دے دل — کیا جگہ دی ہے بے حیائی نے

کیوں کہا صاف حال اُن سے حکیمؔ
پاس کھویا تری صفائی نے

تجھے کیا رنج کہ میری تمنا کیوں نہیں نکلی　　ترے دل کی جو حسرت تھی وہی پہلے نہ نازیں نکلی

یہ سنتے ہی ہمارے جسم سے جانِ حزیں نکلی　　غضب ہے خواب میں بھی آپ کے منہ سے نہیں نکلی

الٰہی کیا کریں یارو کر بیٹھا ہم ایسی جنت میں　　بہت ڈھونڈا مگر اُس شوخ سی صورت نہیں نکلی

کروں کیا مجھ کو یہ تاکید ہے ضبطِ محبت کی　　غضب ہوگا ترے منہ سے جو آہِ آتشیں نکلی

ہوا گر وصل کا طالب ہزاروں التجا کی ہے　　مگر منہ سے کسی بے رحم کافر کے نہیں نکلی

چھپا بیٹھا فلک سے تو یہ ظالم اب وہاں بھی ہے　　غضب ہے بعد مردن بھی مری دشمن زمیں نکلی

نہ مانی ایک، آخر جان ہی لیکر ٹلے یارب　　محبت بھی کسی کی دشمنِ جانِ حزیں نکلی

تمنا سے ہماری آپ کو کہیئے ۔ غرض مطلب　　نہ پوچھیں یہ مری جاں آپ نکلی یا نہیں نکلی

حلیمؔ خوش بیاں کیا بات ہے کل بزمِ دشمن میں

ترے ہر شعر پر ہر اک زباں سے آفریں نکلی

ان سے کیا کیا مجھے ملنے کی خوشی ہوتی ہے
سچ ہے اے شوق لگی دل کی بُری ہوتی ہے

کچھ نہ کچھ خوب یہ دیکھا ہے کمی ہوتی ہے!
بات کب قابلِ تسلیم سُنی ہوتی ہے

دیکھ کر مجمعِ اغیار وہ فرماتے ہیں
ہائے کمبخت جوانی بھی بُری ہوتی ہے!

اب نہ لینا دلِ بیتاب بھلا نام ان کا
بزمِ دشمن میں یہ کیا بے ادبی ہوتی ہے

اس تری شانِ کریمی کے میں صدقے یارب
بزمِ جاناں میں رقیبوں کی ہنسی ہوتی ہے

وعدۂ وصل کیا، حشر کا یہ کہہ کے ابھی
کیا غضب قہر حسینوں کی ابھی ہوتی ہے

لطفِ مے زاہدِ کمبخت بھلا کیا جانے
جانتا ہے وہی جس نے کبھی پی ہوتی ہے

یاد بھی ہے دلِ مشتاق تجھے یا کہ نہیں
وصل میں وہ نگہہ ناز چھری ہوتی ہے

اس قدر رنج تمہیں کیوں ہے بتاؤ تو سہی
ورنہ دشمن کے تو مرنے کی خوشی ہوتی ہے

فتنۂ حشر زمانہ تجھے کیوں کہتا ہے
کیا قیامت ترے دامن سے لگی ہوتی ہے؟

پوچھتے ہیں مرے قاصد سے وہ یہ خط لیکر
سچ بتا، یاد ہماری بھی کبھی ہوتی ہے

سائلِ وصل ہوا اُن سے تو چپکے سے کہا
شرم والوں سے بھی یہ بات کبھی ہوتی ہے

آؤ میدانِ محبت میں عدو کو جانچو
مجھ سے کس بات میں دیکھو تو کمی ہوتی ہے؟

آج ہونا ہے جو ہو جائے نہ کل پر ٹالو
دیکھو ضد کرنا مری جان بُری ہوتی ہے

دھوکے دے دے کے شبِ وصل گذاری یوں حکیمؔ
بندہ پرور سحرِ وصل ابھی ہوتی ہے!

جب کہ عذرِ وصال ہوتا ہے
ہم کو جینا وبال ہوتا ہے

میری میت پہ ہنس کے فرمایا
عاشقوں کا یہ حال ہوتا ہے

کیا غضب ہے کہ غیر بھی تیرا!
دل دہی کا سوال ہوتا ہے!

اور سُنیے نئی وہ تاسف سے
کہتے ہیں کیا وصال ہوتا ہے

وہ دمِ نزع مجھ سے کہتے ہیں!
اب تو خوش ہو وصال ہوتا ہے

کیوں بنا لیتے ہو، کہو تو منہ
وصل کا جب سوال ہوتا ہے

غیر کیا ہے جو کچھ کہے لیکن!
تیرے منہ کا خیال ہوتا ہے

اس طرح دل وہ پھینک دیتے ہیں
مفت کا جیسے مال ہوتا ہے!

رنج ہے غیر کو تو مجھ سے ہے
آپ کو کیوں ملال ہوتا ہے!

وہ مصیبت ہے عیش سے اچھی
جس کا اچھا مآل ہوتا ہے

ہجر کے دن سے تو بچائے خدا
ایک دن ایک سال ہوتا ہے

زلفِ پیچاں سے بچنا تو اے دل
یہ قیامت کا جال ہوتا ہے

اپنی تصویر دیکھ کر بولے
حُور کا یہ جمال ہوتا ہے!

اہلِ فن کے ہیں سینکڑوں دشمن
خاک اچھا کمال ہوتا ہے

سچ تو یہ ہے کمال کو بھی حکیمؔ
بڑھتے بڑھتے زوال ہوتا ہے!

حشر میں کیا سیر تھی کہیے جو دن بھر دیکھیے
آپ نے اچھی کہی کیا خاک پتھر دیکھیے

ہم کو تھی امید راہِ عشق میں کچھ خضرؑ سے
ورنہ ہم پہلے ہی کوئی اپنا رہبر دیکھیے

سُن لیا ہوگا کہیں تم نے پریشانی کا نام
آنکھیں کھل جاتیں کسی کو تم جو مضطر دیکھیے

ہم غریبوں کی نہیں پرسش یہاں بھی اودھ
کیا مزے سے پھر رہے ہیں سیرِ محشر دیکھیے

جلتے ہیں ہم تیرے جور و ستم ہم سے نہ پوچھ
مدتیں گذریں ہیں تجھ کو ستمگر دیکھیے

جنبشِ ابرو ہی جب کافی ہے میرے قتل کو
کیوں تلاشِ تیغ ہے کیوں جبیں خنجر دیکھیے

کوئی دشمن کو نہ دیکھے گا ستمگر اس طرح
جس طرح ہم ہجر کی شب ہیں مقدر دیکھیے

وہ کہے جائیں نہیں دیکھا مگر ہم نے نہیں
بزم میں دیکھا سوئے اغیار اکثر دیکھیے

مر گئے جب ہم شبِ وعدہ تو بولی یہ قضا
انتظارِ یار لازم تھا کہ شب بھر دیکھیے

باتوں باتوں میں کہا میں نے جو ان سے بیوفا
تو یہ جھنجلا کر وہ بولے آزما کر دیکھیے

لے گیا ہم کو خیالِ بدگمانی کھینچ کر
ورنہ ہم دشمن کا گھر تا روزِ محشر دیکھیے

آتے ہیں دل سے جگر میں ہو نیا انداز سے
حسرت و ارماں تڑپتے ہیں مگر گھر دیکھیے

حشر تھا اُس شوخ کا محفل میں یہ کہنا حکیمؔ
کیا غرض تھی ہم تجھے کم بخت کیونکر دیکھتے

مشغلہ یہ اسے ستم ایجاد ہے — آہ لب پر ہے کبھی فریاد ہے

قتل ہونے کی تو ہے مجھ کو خوشی — کہیئے کہیئے اور کیا ارشاد ہے

وصل میں اُن کا یہ مجھ سے پوچھنا — شاد کیوں اب تو دلِ ناشاد ہے

آج ہی ہو جائے کیونکر فیصلہ — کیا قیامت آپ کا ارشاد ہے

نیچی آنکھیں ہو گئیں جب یہ کہا — وصل کا بھی ماجرا کچھ یاد ہے

دیکھ اے دل سُن لے اپنے مُنہ سے وہ — کہتے ہیں بندہ بڑا جلاد ہے

کوئے جاناں کی بہاریں کیوں اٹھیں — کیا یہ زاہد جنتِ شداد ہے

حالِ فرقت کون لکھے میری جاں — پاس کس کے خامۂ فولاد ہے

ہے تجھے کیوں بلبلوں کی نالہ جا تنگ — باغباں کیا تو کوئی صیاد ہے

شور سن کر وہ مرا بولے حکیم
تو بھی اپنے وقت کا استاد ہے

کہتے بھی وہ نہیں کہ بُرا غم کا داغ ہے
اللہ رے دماغ انہیں یہ دماغ ہے

یہ دیکھ اُس کے ہجر کا یہ دل پہ داغ ہے
اب اے حکیمؔ کس کو تلاشِ چراغ ہے

گم ہو گیا ہے دل تو چلو جستجو ہے کیوں
کھوئی ہوئی بھی چیز کا لگتا سراغ ہے

واعظ سُنا ہے تو نے کہ وہ ذکرِ خلد ہے
کہتے ہیں اپنی وضع کا اک وہ بھی باغ ہے

ہرگز مٹے نہ دل سے مرے داغ یاس و غم
یا رب شبِ فراق کا یہی چراغ ہے!

کیا پوچھتے ہو مجھ سے جدائی کا حال تم
دیکھو زباں پہ چھالے ہیں اور دل پہ داغ ہے

سُن سُن کے بار بار وہ میرے کلام کو
کہتے ہیں یہ حکیمؔ تو ہم رنگِ داغ ہے

عاشقوں سے نظر چرائی ہے
یہ قیامت کی بے وفائی ہے

میں ہوں، دل ہے، غمِ جدائی ہے
کیا غضب تیری آشنائی ہے

ایک آفت شبِ جدائی ہے
رات بھی نیند کس کو آئی ہے

جان دیتا ہوں میں ضرور تجھے!
یہ امانت مگر پرائی ہے!

کہہ ہی گزروں گا وہ کبھی نہ کبھی!
دل میں جو کچھ مرے سمائی ہے

رہِ الفت میں دیکھ اے ناصح
دل سی شے کھو کے ہم نے پائی ہے

طلبِ بوسہ پر وہ کہتے ہیں!
تیری شامت حکیم آئی ہے!

غدر آنے میں تجھے کیا بتِ ہرجائی ہے
موت نے بھی نہیں آنے کی قسم کھائی ہے

ابھی بھی حضرت دل کس سے شناسائی ہے
جو فسوں ساز ہے عیار ہے ہرجائی ہے

دہر یہ کہتے ہیں مجھے دیکھ کے سودائی ہے
غیر کہتے نہیں ہیں آپ کا شیدائی ہے

آئینے سے بھی غضب آنکھ تو شرمائی ہے
تم کو کس بات پہ پھر دعوئے یکتائی ہے

ہم نے ہر وقت نیا رنج و الم کھایا ہے
تم نے کھائی ہو تو ہر وقت قسم کھائی ہے

اُن کا اٹھلا کے شب وصل یہ مجھ سے کہنا
چھوڑو چھوڑو بھی چلو نیند ہمیں آتی ہے

گو مسیحا ہے زمانہ ہی سہی آپ مگر
آپ سے ٹل نہ سکے گی جو مری آئی ہے

کیا کہیں کس سے کہیں ہائے طبیعت اپنی
کس طرح ہم نے شب ہجر میں بہلائی ہے

اور سنئے وہ سر بزم یہ فرماتے ہیں
اُس کو ہم جانتے ہیں جس کا تو شیدائی ہے

واقعی مجھ سے وہ پوچھیں تو یہ منہ پر کہدوں
یہ طبیعت تو تمہیں پر مری جان آئی ہے

یہ غضب ہے کہ سمجھ میں نہیں آتی ظالم
ہم نے سو بار تجھے بات یہ سمجھائی ہے

تو زباں ہلتے ہی جی اٹھے ہزاروں مردے
کیا عجب ہے مرے مسیحا کی مسیحائی ہے

تو تمہیں میری قسم یہ تو بتا دو مجھ کو
وصل میں یاد تمہیں غیر کی کیوں آئی ہے

نہیں تو مجھے کیا بات ہے جو خط میں حکیم
اس نے لکھا ہے مجھے تو مرا شیدائی ہے

چتون یہ کہہ رہی ہے پشیمان کیجیے | کیا خاک وصل کا ترے ارمان کیجیے
اغیار سے نہ وصل کا پیمان کیجیے | ایسا غضب نہ آپ مری جان کیجیے
کیوں نذر بھر بتوں کے نہ ایمان کیجیے | زاہد عجب کسی پہ فدا جان مت کیجیے
الفت میں دل کا غم تو نہ ہر آن کیجیے | اللہ کو حکیم نگہبان کیجیے
اول تو قتل کا مرے سامان کیجیے | پھر آپ اپنا غیر کو مہمان کیجیے
للہ ہم پہ آپ یہ احسان کیجیے | دشمن ہے بیشتر ہمیں قربان کیجیے
غیروں کو شاد مجھ کو پریشان کیجیے | جو کچھ مزاج چاہے مری جان کیجیے
بس بس شہید ناز نہ مضطر ہو دل کیجیے | زلفوں کو اور اب پریشان کیجیے
صورت یہ دکھا دکھا کے مری جان بار بار | بس آئینہ کو آپ نہ حیران کیجیے

بوئے وفا کا نام بھی ان میں نہیں حکیم
کیا خاک ان بتوں پہ فدا جان کیجیے

جب نہیں قابلِ اظہار حکایت دل کی
عرض پھر خاک کروں کیجئے تو حالت دل کی

وہ بھی برگشتہ، جگر جان بھی برہم، لیکن
ایک غمخوار ہے تو اے شبِ فرقت دل کی

کیجیے تیغِ تبسم سے ہزاروں ٹکڑے
ہے تمنا کہ ہو اس طرح شہادت دل کی

جور پر جور، ستم پر جو ستم سہتا ہوں!
بندہ پرور، یہ مگر سب ہے عنایت دل کی

وعدہ کر کے بھی مرے گھر کبھی آیا نہ گیا
کیا نکالو گے اسی برتے پہ حسرت دل کی

نزع میں چھوڑ گئے وہ مجھے تنہا افسوس
کیا بُرے وقت نکالی ہے کدورت دل کی

آہ کرنے سے ہوا حشر عدم میں برپا
ہو گئی اب تو لو ہر بات قیامت دل کی

ہیں ہزاروں ہی ابھی غیر کے شکوے لب پر
وصل میں بھی نہ گئی ہائے شرارت دل کی

کیا تماشا ہے کہ وہ پوچھتے ہیں مجھ سے حکیم!
تو نے آنکھوں سے کبھی دیکھی ہے مصیبت دل کی

تب کہیں کچھ اگر کہا کیجے
اچھا اچھا۔ تو ہاں وفا کیجے

کیا کہوں اور میں کہ کیا کیجے!
رسمِ الفت کبھی ادا کیجے!

کون کہتا ہے، بے وفا کیجے
شوق سے آپ تو جفا کیجے!

اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ کر وہ!
بولے، اب عرضِ مدعا کیجے

طالبِ وصل دیکھ کر وہ بت!
مجھ سے بولے، خدا خدا کیجے!

کیا دھرا ہے بھلا تسلی میں!
وقت آخر ہے، اب دعا کیجے!

مرضِ عشق ہو حکیم جسے
اس کی کیا خاک پھر دوا کیجے

آج کل تو وہ بتِ کافر بہت مغرور ہے
دیکھیے اللہ کو کرنا بھی کیا منظور ہے

جانتا تو ہے تمہیں جانا جہاں منظور ہے
کہہ تو دے بندہ پتہ کی کیا کرے منظور ہے

کون کہتا ہے حکیم خوش بیان مغرور ہے
آپ کے سر کی قسم وہ آپ کا مشکور ہے

ہو نزاکت کا برا کہتے ہیں وعدہ کی شب
کس طرح جاؤں ابھی گھر کسی کا دور ہے

بدگماں ہو تم نہیں تم کو کبھی ہوگا یقین
یہ نہ پوچھو تم کہ کیا حالِ دلِ رنجور ہے

تو نے جب پی ہی نہیں تو کیوں برا اسکو کہا
کس مزے کی چیز تو نے واعظ انگور ہے

کیا بیاں قصہ ہو اب علم عشق کی نیرنگیاں
عاشق شیریں خدا کی شان اک مزدور ہے

آئینہ میں دیکھتے ہیں وہ اپنے عکس سے
سچ بتا میری قسم ایسا جمالِ حور ہے

کس طرح سمجھائیں اسکو ظلم سے جو باز آئے
کیا کریں چرخِ ستمگر ہم سے کوسوں دور ہے

حضرتِ حمدی ذرا یہ تو بہت دیکھیے نہیں
داغِ الفت کے مقابل کیا چراغِ طور ہے

اسنے یہ پوچھا ملا کر حشر ہو گیا بپا حکیم
کس لئے مجھ سے کشیدہ میرا [illegible] ہے

کیا کہوں ، کیا زندگانی چاہیئے / پھر وہی عہدِ جوانی چاہیئے

وہ دمِ رخصت یہ فرمانے لگے / پھر ملیں گے ، زندگانی چاہیئے

ہم غریبوں کے بھی حالِ زار پر / کچھ تمہاری مہربانی چاہیئے

پاک ہو جاؤں گا عصیاں سے مگر / بارشِ رحمت کا پانی چاہیئے

جب مزاجِ پاک پوچھا تو کہا / شکر ہے بس مہربانی چاہیئے!

دشمنِ جاں گر زمانہ ہے تو ، ہم / مجھ کو تیری مہربانی چاہیئے!

کیا کرے گا ہمیشہ دنیا لے وہ! / جس کو عیشِ جاودانی چاہیئے

داغِ حسرت سے بھی لیجئے ان ہی آپ / حضرتِ دل کچھ نشانی چاہیئے!

بحر میں ہے سہل لیکن اے حکیم
طبع میں اپنی روانی چاہیئے!

کہا جب اُن سے تم نے میرے دل میں گھر بنایا ہے
تو جھنجھلا کر وہ بولے مجھ سے تیرا سر بنایا ہے

یہاں بھی جب نہیں انصاف ہم الفت کریں کس کا
خدایا تو نے پھر کس واسطے محشر بنایا ہے

عجب کیا تھا کہ اے دل کرتے یہ دعویٰ خدائی کا
بتوں کو اس لئے اللہ نے پتھر بنایا ہے

قسم ہے داورِ محشر کہ ہرگز بن نہیں سکتے
رقیبوں کو جو اپنا فتنۂ محشر بنایا ہے

الٰہی خیر ہو دم کی چڑھا کر اپنے ابرو کی
وہ کہتے ہیں کہ ہم نے آج یہ خنجر بنایا ہے

قیامت کا عالم کیا جب خدا سے وہ کہا تو
محمد مصطفےٰ کو شافعِ محشر بنایا ہے

ابھی سے تے عدم جا کر رقیبوں کی خبر لاؤں
مگر افسوس ہے اللہ نے بے پر بنایا ہے

غضب کیا ہو کہ ہوتا ہے طرفداری رقیبوں کی
تجھے کیا اس لئے اپنا بُت خود سر بنایا ہے

حکیم خستہ جاں کیا تشنگی کا غم ہو محشر میں
محمد کو خدا نے شافعِ محشر بنایا ہے

عشق نے تیرے مریجان کے لالے ڈالے
سوزِ فرقت اُف غضب دل میں ہیں چھالے ڈالے

لوگ کہتے ہیں بُرا خیر تو کہنے دو مجھے
خلق کے منہ میں کسی نے بھی ہیں تالے ڈالے

بعدِ مُردن مجھے یوں شاد کیا واہ نصیب
میری میت پہ ستمگر نے دوشالے ڈالے

بددُعا ان کا بھی کچھ خوف ہے تم کو انکی
کیوں مصیبت میں بھلا چاہنے والے ڈالے

سیکڑوں بیجا لکھیں اس پہ قیامت دیکھو
خط میں اغیار کے ظالم نے حوالے ڈالے

رنج ہو کیوں نہ مجھے جب وہ پھریں ہائے حکیم
ہاتھ یوں گردنِ اغیار میں ڈالے ڈالے

نیچی نظروں کا سبب آپ کی ہم جان گئے
ہو نہ ہو غیر کا دھڑکا ہے یہ ہم مان گئے

اس لئے اے بت کافر تیرے قربان گئے
جب سے دیکھا تجھے اللہ کو ہم جان گئے

وہ یہ کہتے ہیں کہ کہا غیر کا ہم مان گئے
میں یہ کہتا ہوں مرے مفت میں احسان گئے

نالہ سنتے ہی مرا ان کے جو اوسان گئے
بولے گھبرا کے تری آہ کو ہم مان گئے

وعدہ مجھ سے کیا، وہ غیر کے مہمان گئے
پیچھے پیچھے مرے سر پیٹتے ارمان گئے

اے غم عشق برا ہو ترے ارمانوں کا!
آئے آرام سے وہ اور پریشان گئے

عشق میں اس بت کافر کے جناب زاہد
کیا بتائیں تمہیں کس کس کے ہیں ایمان گئے

جب کہا میں نے کہ مرتا ہوں، بگڑ کے بولے
کیا ضرورت ہے ہزاروں مرے قربان گئے

حشر میں میں نے کی فریاد تو وہ گھبرا کر
بولے للہ رہو چپ وہی ہم مان گئے

طعنۂ صحبت اغیار پہ ظالم نے کہا
یہ خوشی اپنی کسی کا بھی کہا مان گئے

اللہ اللہ رے محبت مری جاں بعد فنا
قبر میں ساتھ مرے سینکڑوں ارمان گئے

تیرے انداز قیامت ہیں بت ہوشربا
میرے کیا سینکڑوں لاکھوں کے ہیں اوسان گئے

دیکھ کر وہ مری صورت کو یہ کہتے ہیں حکیم
مدعا جو ہے ترے دل کا وہ ہم جان گئے

دل نہیں ہے اگر دعا کے لئے
پھر ہے کس درد کی دوا کے لئے

سچ ہے عشاق ہیں جفا کیلئے
رحم کیجئے مگر خدا کے لئے

کہہ رہی ہیں یہ شوخیاں ان کی
کہ یہ صورت نہیں حیا کے لئے

وائے قسمت کہ وہ یہ کہتے ہیں
منہ تو بنوا لیے دعا کے لئے

اے ستمگر بھلا گلہ کیا!
جب بنے ہیں ترے جفا کے لئے

میری میت پہ آ کے فرمایا!!
تو نے احسان کیوں قضا کیلئے

وقت آخر ہے اے حکیم سنو
اب بھی توبہ کرو خدا کے لئے

کیا کہوں میں تری درگاہ سے کیا ملتا ہے
جو طلب تجھ سے کرے اس سے سوا ملتا ہے

کیا بتاؤں تجھے لیلیٰ کہ کہاں ملتا ہے
کچھ عدم میں ترے مجنوں کا پتہ ملتا ہے

دیکھ تو اس سے ملا کر تو ذرا اے قاتل
کیا مرے خون سے ترا رنگ حنا ملتا ہے

یہ زمانہ سے نئی بات لو اک اور سنو
کہتے ہیں جور میں کچھ لطف وفا ملتا ہے

تجھ کو وحدت کا پتہ خاک چلے اے زاہد
تو بتوں سے بھی کبھی مرد خدا ملتا ہے!

کتنے عاشق ہیں سمجھ میں نہیں آتا ظالم
اک نہ اک دل ترے کوچہ میں پڑا ملتا ہے

مجھ کو معلوم نہیں حال بتوں کا زاہد
ان بتوں میں کوئی ڈھونڈے تو خدا ملتا ہے

میری تقدیر کہ کچھ مجھ کو ملی یا نہ ملی
میری رسوائی میں کچھ تجھ کو تو مزہ ملتا ہے

دیکھتا ہوں نگہ یاس سے میں اسکو حکیم
مجھ سے اس کوچہ میں کمبخت جو آ ملتا ہے

نہ پوچھیں حال، وہ کیوں نامہ بر سے
دعائیں مل گئیں جا کر اثر سے

ملے تو یہ کہوں اس فتنہ گر سے
تجھے کیا فائدہ میرے ضرر سے

ہوئی حجت یہ اُن کے نامہ بر سے
نکالیں وہ عدو کو، اپنے گھر سے

لڑی ہے جب سے یہ اس فتنہ گر سے
لگی ہے ایک جھڑی سی چشمِ تر سے

تڑپنے کیا مجھے دیکھا ہے اے دل
نہ اب ڈرتا ہوں خود، اپنی نظر سے

رقیبوں سے نہ ظاہر ہو چلن، شاید!
وگرنہ زندگی بھر ہم تو ترسے

ترے یہ ناز، یہ انداز، ظالم؟
کوئی پوچھے مرے دل سے جگر سے!

ہمارے دیدۂ گریاں کے آگے؟
بھلا کیا ابرِ باراں خاک برسے

مجھے آتے ہوئے دیکھا تو بولے
کہو تو آتے ہو حضرت کدھر سے

حکیمِ خستہ جاں، مرتے ہو ان پر
یہ ظاہر ہے تمہاری چشمِ تر سے

عجب انداز سے کوچہ میں میرے میری جاں ٹھہرے
اِدھر ٹھہرے اُدھر ٹھہرے یہاں ٹھہرے وہاں ٹھہرے

ہمیں کیا روزِ محشر کا الم، جب احمدِ مرسل
معینِ بیکساں ٹھہرے، شفیعِ عاصیاں ٹھہرے

تمہارے تیر تھے مشتاق دیکھے بھی جگر کو بھی
نہیں معلوم یہ مجھ کو کدھر ٹھہرے، کہاں ٹھہرے

بُرا عیب ہے کہ احساں کیجئے تم احساں جتاتے ہو
کرو جو کچھ بھی، تھوڑا ہے کہ جیسے ہیں یہاں ٹھہرے

یہاں تک ہو قصۂ دردِ الم، یہ غیر ممکن ہے
کہ مشکل سانس لینا ہے، ہم ایسے ناتواں ٹھہرے

مری جان آپکو میں نے کہا، تو کیا برا کیا
دل و جاں آپنے میرا لیا تو میری جاں ٹھہرے

بلا شک مانتا ہوں میں کسی کے رنج و راحت کا
یقین کس طرح آئے، تم تو جب بدگماں ٹھہرے

حکیم خستہ جاں چلتے ہیں بزمِ یار میں لیکن
کہو کیا حال ہو آئے کہیں گر بے زباں ٹھہرے

حکیم انساں سے ہو وصفِ احمد غیر ممکن
شفیعِ عاصیاں، مجھو سے بیان تنہا ٹھہرے

ستم پر ستم آسماں ہو رہا ہے
وہ ظالم بہت بد گماں ہو رہا ہے

یہ کیا حشر اے آسماں ہو رہا ہے ...
کہ وہ فتنہ گر مہرباں ہو رہا ہے

ہمارے ہی آگے ستمگر ہمارا
ستم ہے کہ شکوہ بیاں ہو رہا ہے

تری چال کیا کچھ قیامت ہی جس سے
بپا حشر اے دلستاں ہو رہا ہے

کہا جب سے قاصد نے یہ مضطرب ہوں
کہوں کیا کہ جو کچھ وہاں ہو رہا ہے

رقیبوں سے در پردہ ہوتی ہیں باتیں
یہ کیا قہر اے میری جاں ہو رہا ہے

غموں کی وہ آتش ہے دل میں الٰہی
کہ دوزخ کا جس پر گماں ہو رہا ہے

غزل کیا لکھے اب حکیمِ سخن ور!
غمِ ہجر سے ناتواں ہو رہا ہے

یہ ستم اور زمانہ سے ہنسا کرتی ہے
شکوہ گر تیری جفا بھی تو جفا کرتی ہے

اور کیا یاد بزمی اس کے سوا کرتی ہے
چٹکیاں یہ دلِ مضطر میں لیا کرتی ہے

وہ اشارہ نگہِ ناز کیا کرتی ہے
دل کو پہلو سے مرے چھین لیا کرتی ہے

داستانِ عاشقِ مضطر کی سُنے تو کیونکر
زُلف ہر وقت ترے کان بھرا کرتی ہے

ہم غریبوں سے ہے تقدیر اسی کی اچھی
سیر کوچہ کی تری بادِ صبا کرتی ہے

دیکھ اے دل میں کہے دیتا ہوں بچنا اس سے
آنکھ اس اس شوخ کی دل کی گرا کرتی ہے

کوئی غمخوار شبِ غم نہیں ہوتا سچ ہے
آج تو تو بھی کمی آہِ رسا کرتی ہے

دخترِ رز سے تعلق ہے ترا کیا واعظ
جو تجھے پاس ہر وقت کیا کرتی ہے

حمد اللہ ہو بتِ کافر تو ملے کچھ آرام!
یہ دعا شام و سحر خلقِ خدا کرتی ہے

تم کو یہ بھی نہیں معلوم مری جاں افسوس
قدرِ عاشق کی کبھی ہمدم وفا کرتی ہے

سمجھ جانا ہے مرا حال وہ سمجھا ہے حکیم
کہ اجل بھی مرے مرنے کی دعا کرتی ہے

وہ ہی جانچلا ہے ہزاروں میں جو مال اچھا ہے
فتنہ گر یہ تری نظروں میں کمال اچھا ہے

میری دانست میں سب سے یہ خیال اچھا ہے
ہجر میں تیرے جو ہو جائے ضال اچھا ہے

بیکسی میں یہ مرا مونس و غمخوار بھی ہے
بے وفا تجھ سے ترا رنج و ملال اچھا ہے

آئینہ پیشِ نظر رکھ کے وہ فرماتے ہیں
ان میں تو یہ تو بتا، کس کا جمال اچھا ہے

طالبِ وصل مجھے دیکھ کے وہ کہتے ہیں
جب کہوں کچھ جو یہ سمجھوں کہ سوال اچھا ہے

مرقدِ قیس سے اب تک یہ صدا آتی ہے
کون کہتا ہے محبت کا مآل اچھا ہے

بعد مدت کے عیادت کو جو وہ آئے حکیم
دیکھ کر نبض کہا، آج تو حال اچھا ہے

کیا کہوں ہائے کیا نہیں آتی — تجھ کو ظالم وفا نہیں آتی
تم کو جاناں وفا نہیں آتی — یہ بھی کہہ دو جفا نہیں آتی
سائلِ وصل سے وہ کہتے ہیں — کیا غضب ہے حیا نہیں آتی
ایسی صورت پہ شغلِ مے واعظ — شرم بہرِ خدا نہیں آتی
تیرے بیمارِ غم کو اے واعظ — مانگنا بھی دعا نہیں آتی
مجھ کو خاموش دیکھ کر بولے — بات کرنی بھی کیا نہیں آتی
شکوۂ مرگ پر وہ کہتے ہیں — کیا کروں گر قضا نہیں آتی
کان ہیں منتظر مرے لیکن — ہائے اُن کی صدا نہیں آتی

کیا غضب ہے حکیم کو ظالم
دردِ دل کی دوا نہیں آتی

چین آتا ہے کسی پہلو نہ کل آتی ہے
کشتۂ ناز کو تیرے نہ اجل آتی ہے

جب کہا میں نے کہ اے جانِ جہاں مرتا ہوں
ہنس کے بولے کہ کہیں تم کو اجل آتی ہے

سائلِ وصل ہوا تھا کہ بگڑ ہی بیٹھے
تم کو ہر بات پہ بس جنگ و جدل آتی ہے

جانِ بیمارِ شبِ غم ہے بڑی آفت میں
نہ وہ آتے ہیں خدایا، نہ اجل آتی ہے

جو ہیں کم ظرف وہ سچ ہے نہوں کیونکہ مغرور
کہ سبک چیز بھی پانی میں اچھل آتی ہے

یہ تو سچ ہے کہ برا جو بھی کیا ہم نے کیا
کب برائی تجھے قسّامِ ازل آتی ہے

حضرتِ داغ کے یہ فیض کا باعث ہے حکیم
اس لئے اچھی تجھے لکھنا غزل آتی ہے

بوسے لیتا ہے لبِ گلفام کے
ہم سے اچھے ہیں نصیبے جام کے

اپنے یوسفؑ کا زلیخا کی طرح
جاؤں گا محشر میں دامن تھام کے

بیکسی میں، رنج و غم ساتھی رہے
ہیں یہی دونوں ہمارے کام کے

ناتوانی بڑھ گئی ہے اس قدر
بات بھی کرتا ہوں اب دل تھام کے

آہ کا میری اسر ہے اثرؔ
ورنہ تم آتے کلیجہ تھام کے

لکھ کے خط قاصد تجھے دوں کس طرح
حالِ دل قابل نہیں اِرقام کے

کیوں نہ سمجھیں وہ تجھے مشفق حکیم
متفق ہیں حرف تیرے نام کے

وصل کا اب نہ رہے ارمان رہے یا نہ رہے — کب تمنا ہے مری جان رہے یا نہ رہے
دل تو ہم کر ہی چکے نذر تجھے الفت میں — اب کوئی اس کا نگہبان رہے یا نہ رہے
جب نہیں ہے دلِ بیتاب کو کچھ چین مرے — پھر تری زلف پریشان رہے یا نہ رہے
ہو رہا ہے بتِ کافر کا جہاں میں شہرہ — دیکھئے کوئی مسلمان رہے یا نہ رہے
آپ کے سر کی قسم اس کا نہیں غم مجھ کو — آپ کے غم میں مری جان رہے یا نہ رہے
کہتے ہیں وصل کا وعدہ نہیں کرتا اس سے — پھر مرے وصل کا ارمان رہے یا نہ رہے
لے لئے لے لئے دلِ مضطر کی دعائیں لے لے — حسن پھر تجھ پہ مری جان رہے یا نہ رہے
کیا بھروسہ ہے ترا یہ ہے سرائے فانی — چار دن بعد یہ سامان رہے یا نہ رہے

عشق میں ہم کو نہیں رنج و الم اس کا حکیم
دل رہے یا نہ رہے جان رہے یا نہ رہے

کوئی کہنے کی بھلا یہ بات ہے
کس طرح دن کو کہوں کہ رات ہے

میں دلِ بیتاب کیا دوں آپ کو
بندہ پرور یہ بھی کچھ سوغات ہے

بوسہ دے کر پہلے کچھ ناخوش ہوئے
پھر یہ بولے حُسن کی خیرات ہے

وصل میں ہر بات پہ یوں روٹھنا
کیا یہ جھگڑے کی مری جاں رات ہے

جب کہا میں نے کہ دل دیتا ہوں میں
ہنس کے بولے بس یہی اوقات ہے

اشتیاقِ وصل اب تو شاد ہو
کہتے ہیں وہ کیا مزے کی رات ہے

واہ کیا دیواں لکھا ہے اے حکیم
جس کے ہر اک شعر میں کچھ بات ہے

بازآئیں تو کیا آئیں یہاں عشقِ بتاں سے — زاہد یہ مزے آئیں گے جنت میں کہاں سے

بیزار ہوئے جب وہ مری آہ و فغاں سے — بولے کہ الٰہی یہ بلا آئی کہاں سے

کہہ دیں مرے احباب یہ اُس آفتِ جاں سے — دھو بیٹھا ہوں میں ہاتھ بھی اب تاب و تواں سے

اقرار سے بہتر اُسے سمجھوں گا الٰہی! — انکار ہی کر دیں وہ اگر اپنی زباں سے

غیروں نے تجھے کچھ تو پڑھایا ہے مری جاں — رنجش سی ٹپکتی ہے ترے طرزِ بیاں سے

جب وصل میں کرتا ہوں غمِ ہجر کا شکوہ — کہتے ہیں کچھ حاصل نہیں اب اسکے بیاں سے

اس واسطے ظالم مجھے مرنے کی خوشی ہے — لے جاؤں گا ارمان ترے ساتھ جہاں سے

لے جائیں گے ہم خلد میں اُس شوخ کو زاہد — مطلب ہی نہیں ہے ہمیں کچھ حور و جناں سے

نالاں ہیں وہیں جانے کو پھر یہ دلِ ناداں — کل مجھ کو اٹھا لائے تھے احباب جہاں سے

تم اور کرو وعدہ وفا کس کو یقیں ہے — ہم خوب سمجھتے ہیں کہ یہ دیتے ہو جھانسے

اُلفت کے جو عقدے ہیں کبھی کھل نہیں سکتے — اے ناصحِ ناداں یہ ہیں عقدے کہ پھانسے

تیرا جو اجل کام ہے بس جان کا لینا — مطلب نہیں کمبخت تجھے پیر و جواں سے

وہ ضعف کا عالم ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
نالے بھی حکیمؔ ہوتے ہیں اب اپنی فغاں سے

وصل میں آپ کریں شرم و حیا تھوڑی سی
ورنہ ہوجائے گی کہنے کو وفا تھوڑی سی

کیا طلب تجھ سے کروں اسکے سوا تھوڑی سی
ساقیا دے تو مجھے ہوش ربا تھوڑی سی

بزمِ رنداں نہ نصیب ہوگی تجھے پھر زاہد
پی بھی لے آج تو اے مردِ خدا تھوڑی سی

اس قیامت کی حیا کیوں ہے شبِ وصل تمہیں
ورنہ ہوتی ہے جوانی میں حیا تھوڑی سی

جب سے دیکھا ہے تجھے خواب میں اُس نے ظالم
تیرے بیمارِ الم کو ہے شفا تھوڑی سی

شکر صد شکر کہ وہ غیر سے یہ کہتے ہیں
ہم کریں اور بھلا تجھ پہ جفا تھوڑی سی

قادرؔ اُس وقت اُنہیں اہلِ وفا کی ہو حکیم
جان جائیں وہ اگر رسم وفا تھوڑی سی

نہو انصاف تو کیا لطف محشر تیرے آنے سے
بھلا کیا فائدہ کمبخت سوتوں کو جگانے سے

ستم دیکھو کہ شمع بزم میں کہتی ہے جل جل کر
تمہیں پروانوں آئی موت کیوں میرے جلانے سے

نہوں مغرور کیونکر اُن سے کہتا ہے یہ آئینہ
نئے انداز میں نے آپ میں دیکھے زمانے سے

اگر ملنا نہیں منظور تو انکار کر دیجئے
بھلا فرمائیے تو فائدہ بھی کیا بہانے سے

کوئی کمبخت تجھ کو کیا ملے گا بگڑنے پر
خفا ہوتا ہے جب تو اور بھی ظالم منانے سے

ترا جانا نہیں گویا پیام موت ہے اپنا
ہماری جان جائے گی ستمگر تیرے جانے سے

غنیمت کیوں نہ سمجھوں برق اپنی خانہ بربادی کا
جلے جب خانۂ صیاد میرے آشیانے سے

یہ مانا آپ نے وعدہ کیا ہے وصل کا لیکن
ہمیں تو اور کچھ وہم و گماں ہے مسکرانے سے

مری نظروں میں دل میں جب حکیم خوش بیاں وہ ہیں
تو پھر پردہ کہاں کا فائدہ کیا منہ چھپانے سے

کچھ خبر بھی اے خیالِ یار ہے
کس کی رسوائی سرِ بازار ہے

کس طرح طے کر سکوں راہِ عدم
سر پہ عصیاں کا الٰہی' بار ہے

چلتے چلتے حشر برپا کر دیا
کیا قیامت آپ کی رفتار ہے

طے کرے تو کیا کرے پیغامبر
مرحلہ دل کا بہت دشوار ہے

نیند کیا آئے بھلا اس رات میں
ہجر کی شب دیدۂ بیدار ہے

رنج و غم میں بھی نہیں ہوتا جدا
کتنا باوضع خیالِ یار ہے

تُو مرا غمخوار ظالم ہو نہ ہو
غم ترا لیکن مرا غمخوار ہے

وار سے جس کے کوئی بچتا نہیں
ابروئے خمدار کیا تلوار ہے

وصل کا وعدہ اگر آساں نہیں
تو ہمارا قتل بھی دشوار ہے

روزِ محشر کا نہیں کچھ غم حکیم
جب وسیلہ احمدِ مختار ہے

کیا کیا ہجومِ شوق و تمنا جگر میں ہے — سب کچھ خدا کے فضل سے موجود گھر میں ہے
جو کچھ کہ تازگی گلِ تر کی خبر میں ہے — ہرگز نہ اے حکیم وہ بادِ سحر میں ہے
کیا کل خرامِ ناز سے فتنے اٹھائے تھے — محشر بپا جو آج ترے رہگذر میں ہے
جس پر پڑی، جہاں بھی پڑی، کام کر گئی — جادو بھرا ہوا نگہِ فتنہ گر میں ہے
اللہ رے تاک جھانک کہاں کی حیا مگر — شوخی بھی بیقرار کسی کی نظر میں ہے
آیا، گیا، خبر بھی کسی کو نہیں ہوئی — کیا وصف دیکھیے قدمِ نامہ بر میں ہے
ڈھونڈوں کہاں کہو تو، دلِ گم شدہ کو میں — میری نظر میں ہے نہ تمہاری نظر میں ہے
تکلیفِ ہجر چار گھڑی بھی اٹھا سکے — اتنی بھی اب نہ تاب ہمارے جگر میں ہے
حورانِ خلد میں بھی وہ واعظ نہیں سنیں — جو ناز جو ادا بتِ بیداد گر میں ہے

طوفان اٹھا رہا ہے جو وہ کوئے یار میں
دریا کوئی حکیم کے کیا چشمِ تر میں ہے

اُس شوخ کی وہ چال قیامت کی چال ہے
اے اہلِ حشر، حشر بھی تو پائمال ہے

میں نے جو یہ کہا مجھے شوقِ وصال ہے
بولے، حکیم تیرا مجھے خود خیال ہے

کس مُنہ سے آؤں حشر میں، میں تیرے سامنے
یارب گنہگار مرا بال بال ہے

مانا، اُنہیں خیال نہیں ہے مرا۔ نہ ہو
لیکن خیالِ یار تجھے تو خیال ہے

کیا آئے اعتبار، نئی بات بات میں
حیلہ ہے، دم ہے، دھوکا ہے، فقرہ ہے، چال ہے

جو مدعا ہے آپ وہ پہچان لیجئے
میں کیا کروں سوال کہ صورت سوال ہے

زلفوں کا حال پوچھ نہ اے ناصحِ شفیق
کمبخت کیا کہوں کہ قیامت کا جال ہے

اللہ رے حجاب، غضب، بدگمانیاں
میری طرف سے آپکو کیا کیا خیال ہے

احباب گو ہزار دوا یا دعا کریں
بچنا مگر حکیم ہمارا محال ہے

پہلے تو دل کا عشق میں نذرانہ چاہیئے — پھر اس کے بعد ہمتِ مردانہ چاہیئے

میں کیا کہوں کہ کیا دلِ دیوانہ چاہیئے — الفت میں رنج و غم کی تو پروا نہ چاہیئے

جس سے کہ ہو بتوں کا نظارہ بھی گاہ گاہ — کعبہ کے آس پاس ہی بُت خانہ چاہیئے

ہر وقت چھیڑ چھاڑ رقیبوں سے وصل کی — کیوں تم کو چاہیئے نہ مری جاں نہ چاہیئے

بہلے گا غمزدوں کا ترے کس طرح سے دل — باغِ ارم کے پاس ہی ویرانہ چاہیئے

دنیا میں عاشقوں سے وفادار پھر کہاں — ایسوں سے تم کو رنجشِ بے جا نہ چاہیئے

سچ ہے کہ میرے دل سے ہو کیا تجھکو ربط ضبط — تُجھ کو تو شمع رو دلِ پروانہ چاہیئے

رنجِ فراق، بارِ الم، غم کی سختیاں — میں کیا کہوں کہ عشق میں کیا کیا نہ چاہیئے

وہ عرضِ مدعا پہ یہ کہتے ہیں بار بار — سُننا ہمیں نہ عشق کا افسانہ چاہیئے

وہ بھی ہیں، شغلِ مے بھی ہے، پھر کیوں اُداس ہے — کیا اور تجھ کو اے دلِ دیوانہ چاہیئے

مل جائے اے حکیم تو ہر کارِ عشق سے
خوشنودیٔ مزاج کا پروانہ چاہیئے

ترا ہر نقشِ پا ظالم قیامت کا نمونہ ہے
تری رفتار کو تو حشر بھی گویا تماشہ ہے
نکلنا کیا انھیں سننا بھی جس کا ناگوارا ہے
دلِ بیتاب تیری بھی تمنا کیا تمنا ہے
کسی کا شرم سے منہ پھیر کر یہ پوچھنا مجھ سے
تمہاری آرزو کیا ہے تمہارا مدعا کیا ہے
وہ دل کا داغ میرے دیکھ کر بولے تعجب سے
چراغِ راہِ الفت ہے کہ یہ داغِ تمنا ہے
دعائیں مانگتے ہیں دل میں مرنے کی مرے لیکن
تسلی کو مری کہتے ہیں تیرا حال اچھا ہے
کسی کی آمد آمد آج ہے کیا خانۂ دل میں
پئے تعظیم یارب درد بھی اٹھ اٹھ کے بیٹھا ہے
حکیم ہم ایک مدت سے اسی کی جستجو میں ہیں
بتاؤ تو سہی تم یہ کہ دردِ لا دوا کیا ہے

آئینہ سامنے سے نہ کیونکر جدا کرے
آپس میں چھیڑ چھاڑ جو چلتی ہے ہوا کرے

بےتاب و بےقرار نہ ہو یہ تو کیا کرے
کب تک کہو تو صبر دلِ مبتلا کرے

کہتے ہیں تا بحشر نہ ایسا خدا کرے
ہم اور فکرِ وصل، ہماری بلا کرے

دنیا اگر خلاف ہے مجھ سے، ہوا کرے
ہوگا وہی حکیم کہ جو کچھ خدا کرے

ان بےوفائیوں سے تری چاہتا ہے دل
کوئی کسی کے ساتھ نہ ہرگز وفا کرے

اپنے ہی جب قدم نہ اٹھیں راہِ عشق میں
فرمائیے تو خضرؑ سا رہبر بھی کیا کرے

کیفیتیں عیاں ہوں تجھے بزمِ یار کی!
ناصح ہمارے ساتھ اگر تو چلا کرے

اے سخت گیر ہے مزہ جب کہ وقتِ قتل
قاتل سے تیغ، تیغ سے قاتل گلہ کرے

کہنا کسی کا ہائے یہ کس تمکنت کے ساتھ
امروہی حکیم اگر ہے ہوا کرے

جب سے تیرے وصل کا ارمان ہے — کیا بتائیں کس غضب میں جان ہے
ہر ادا پر دل تری قربان ہے — کیا ادا، کیا ناز ہے، کیا شان ہے
کعبۂ دل میں تمہارا دخل ہو — اے بتو، یہ بھی خدا کی شان ہے
حضرتِ دل پیشتر ہی چل بسے — کوئی دن کی جان بھی مہمان ہے
آپ گھبرائیں نہیں، مشکل نہیں — قتلِ دشمن کا بہت آسان ہے
سوچیے تو دل کی پھر گنتی ہی کیا — جان تک جب آپ پر قربان ہے
کیوں بگڑ جائے گا زاہد عشق میں — کھیل ہے کوئی کہ یہ ایمان ہے
کانپتی ہے روح جس کے نام سے — موت سے بڑھ کر ترا دربان ہے
وعدہ کر کے وصل کا کہتے ہیں وہ — ہو بھی جائے گا یہ اطمینان ہے
کہنے سننے سے بھلا کیا فائدہ — آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے
کون کہتا ہے بتا تو فتنہ گر — کس کو تیرے وصل کا ارمان ہے

دیکھ کر اُس خور وش کو اے حکیم
میں تو میں، آئینہ بھی، حیران ہے

کاش قسمت بدل گئی ہوتی
میری حالت سنبھل گئی ہوتی

تیغِ قاتل جو چل گئی ہوتی
میری حسرت نکل گئی ہوتی

تیرے وعدوں کی طرح اے ظالم
شبِ فرقت بھی ٹل گئی ہوتی

فتنۂ حشر تیری آمد سے
قبرِ عاشق دہل گئی ہوتی

آپ کیا غیر کی عیادت کو
بندہ پرور، اجل گئی ہوتی

خیر گذری وگرنہ محشر میں
تم پہ خلقت مچل گئی ہوتی

آپ کیا جانتے نشیب و فراز
کچھ جوانی تو ڈھل گئی ہوتی

باغباں! پھر نہ کوئی شکوہ تھا
شاخِ حسرت جو پھل گئی ہوتی

رازِ الفت حکیم کھل جاتا
اُف جو لب سے نکل گئی ہوتی

رہِ الفت بھی کتنی پُر خطر ہے
کہ جس میں جان کا، دل کا ضرر ہے

تمہاری جب سے برگشتہ نظر ہے
زمانہ کی بھی اب حالت دگر ہے

بتاؤں کیا تجھے کیا نامہ بر ہے
نگاہِ فتنہ گر بھی فتنہ گر ہے

عدم آباد جو ملکِ دگر ہے
وہاں کا بے خبر بھی باخبر ہے

کہا مانو، وہاں ہرگز نہ جانا!
کہ پھر دشمن کا گھر، دشمن کا گھر ہے

کیا ہے منتخب لاکھوں میں، تم کو
ہماری بھی نظر، کیا ہی نظر ہے

زمانہ کی تو حالت دیکھتے ہو!
مگر اپنی بھی حالت کی خبر ہے

تم اپنی زلفِ پیچاں کو تو روکو
بھلا کمبخت یہ کیوں میرے سر ہے

کٹے گا راستہ کیونکر، عدم کا
نہ مونس ہے، نہ کوئی ہم سفر ہے

ہمیں امید ہے ہو کر رہے گا!
تمہارا وصل، قسمت میں اگر ہے

حکیمِ خوش بیاں کی قدر کیجے
کہ پھر اہلِ ہنر اہلِ ہنر ہے

فروغِ حسن کی خود حسن پر تاثیر ہوتی ہے
مقابل آپ کے جب آپ کی تصویر ہوتی ہے

معافی جرمِ الفت کی اگر مانگوں تو کہتے ہیں
محبت میں بھلا کب درگزر تقصیر ہوتی ہے

ہمیں کیا، آپ کا دل آپ پر خود آ ہی جاتا ہے
مقابل آپ کے جب آپ کی تصویر ہوتی ہے

کہوں جب یہ کہ مرتا ہوں، تو ہنس کر وہ یہ کہتے ہیں
عدم آباد کیا عشاق کی جاگیر ہوتی ہے

اثر، احساس اس کا نام ہے وہ خود یہ کہتے ہیں
فغاں میں، آہ میں، فریاد میں، تاثیر ہوتی ہے

وہ ناداں ہیں، جو اس کو کھیل، یا آساں سمجھتے ہیں
محبت حضرتِ دل سخت ٹیڑھی کھیر ہوتی ہے

دلِ ناکام، تدبیروں سے تیرا کام کیا ہوگا
مقدم کام ہونے کے لئے تقدیر ہوتی ہے

ہماری جان پر آفت مصیبت ہے تو ہونے دے
خوشی تیری تو لیکن آسمانِ پیر ہوتی ہے

حکیم اُس بزم میں ہو قدرِ عاشق غیر ممکن ہے
مگر فضلِ خدا سے آپ کی توقیر ہوتی ہے

دلِ برباد کس کے واسطے برباد ہوتا ہے
تری بربادیوں کو دیکھ کر جو شاد ہوتا ہے

دلِ ناشاد اُس کے فضل سے جب شاد ہوتا ہے
تو پھر مایوس ہوتا ہے نہ پھر ناشاد ہوتا ہے

اگر سچ پوچھیے تو شکلِ آبادی بُری شے ہے
وہی برباد ہوتا ہے کہ جو آباد ہوتا ہے

تمہاری زلفِ پیچاں بھی عجب آفت کا پھندا ہے
کہیں دل ایسے پھندے سے کبھی آزاد ہوتا ہے

دلِ بیتاب سے کل قتل پر آمادہ بیٹھے تھے
مگر یہ دیکھنا ہے آج کیا ارشاد ہوتا ہے

تعجب ہے نہیں معلوم یہ بھی کیا حیلت ہے
تمہارا ظلم ہی تو باعثِ فریاد ہوتا ہے

ہزاروں سیکڑوں برباد ہوتے ہیں زمانہ میں
جسے تو چاہتا ہے بس وہی آباد ہوتا ہے

گلہ کیسا شکایت کیا مقدر اپنا اپنا ہے
کوئی آباد ہوتا ہے کوئی برباد ہوتا ہے

کریں احباب کرتے ہیں ترا کیا ہر جگہ شہرہ
کہ تیرے ذکر سے شاداں دلِ فرہاد ہوتا ہے

تمہارے عشق میں اس خانۂ دل کی یہ حالت ہے
کبھی آباد ہوتا ہے کبھی برباد ہوتا ہے

فصیح الملک کے شاگرد سب استاد ہیں لیکن
حکیم نکتہ داں استاد پھر استاد ہوتا ہے

یہ تم نے دِل جو چُھپا کر نظر چرائی ہے
اسی کا نام تو کمبخت بے وفائی ہے

تمہارے عشق میں تکلیف جو اٹھائی ہے
سزا یہ دل کے لگانے کی ہم نے پائی ہے

غضب تو دیکھیے، کہتے ہیں دور ہی رہیے
شبِ وصال بھی گویا شبِ جدائی ہے

بغیر چھیڑ کیے اُن سے مانتا ہی نہیں
دلِ حزیں تری شامت ضرور آئی ہے

بلا بجھائے تمہارے یہ بجھ نہیں سکتی!
تمہیں نے آگ مری جان یہ لگائی ہے

ہمیں سے تم کو عداوت، خدا کی قدرت ہے
ہمیں نے رسمِ محبت تمہیں بتائی ہے

مرا کلام وہ سن کر یہ مجھ سے کہتے ہیں
بلا کی شوخ طبیعت حکیم پائی ہے

مہماں جو غیر اُس بتِ خود سر کے ہو گئے
ارماں شکرِ یاب غمِ دلِ مضطر کے ہو گئے

کیا سخت تھا گلو ہے ستمگر کہ وقتِ قتل
ٹکڑے ہزار ہا ترے خنجر کے ہو گئے

اک کھیل ہو گئی ہیں ہمیں غم کی سختیاں
ہم بھی بتوں کے عشق میں پتھر کے ہو گئے

آئینہ دیکھ دیکھ کے کہتے ہیں مجھ سے وہ
پیدا یہ اور میرے برابر کے ہو گئے

ساقی نظر لگی ہے کسی تشنہ لب کی کیا
ٹکڑے جو خود بخود ترے ساغر کے ہو گئے

ٹھہریں گے پھر نہ حضرتِ دل سامنے کبھی
دو وار بھی جو چشمِ فسوں گر کے ہو گئے

اللہ رے حسن و ناز کہ میدانِ حشر میں
خواہاں تمام اُس بتِ خود سر کے ہو گئے

پوچھا جو ہم سے داورِ محشر نے رازِ عشق
خاموش تھا ہم تو حشر میں اُف کر کے ہو گئے

زاہد قسم خدا کی رہوں گا نہ تشنہ لب
مجھ پہ جو لطفِ ساقیٔ کوثر کے ہو گئے

شکرِ خدا حکیم کہ اُس بت کے عشق میں
نالے مزاج داں بتِ خود سر کے ہو گئے

ہمارے جیتے جی یہ کیا قیامت ہوتی جاتی ہے
رقیبوں سے تری صاحب سلامت ہوتی جاتی ہے

بتاؤں کیا فدا کیوں تم پہ خلقت ہوتی جاتی ہے
تمہارے حُسن کی دُنیا میں شہرت ہوتی جاتی ہے

نہ گھبرا وصل کی تدبیر و صورت ہوتی جاتی ہے
دلِ مضطر انہیں اب مجھ سے الفت ہوتی جاتی ہے

خدا محفوظ رکھے تجھ کو غیروں کی نگاہوں سے
تری اُٹھتی جوانی اب قیامت ہوتی جاتی ہے

گنہگاروں کو کھٹکا خاک ہو روزِ قیامت سے
کہ جب انکی معاون تیری رحمت ہوتی جاتی ہے

وفا تو بھی نہ دے جائے کہیں یہ ماجرا کیا ہے
کمی کیوں آج تجھ میں دردِ فرقت ہوتی جاتی ہے

عدو سے بیٹھے بیٹھے آپ نے کیا کیا کہا ہوگا
کہ جب مُنہ پہ مرے میری شکایت ہوتی جاتی ہے

کروں کیا عذر ناصح دل تو ہے اُنکی نگاہوں میں
کہیں گے وہ کہ حاضر میں بھی حجت ہوتی جاتی ہے

اسی سے میں یہ کہتا تھا نہ دیکھو آئینہ دیکھو
مری جاں آپ کو اب کیوں یہ حیرت ہوتی جاتی ہے

اسی کو عشق و الفت کا اثر کہتے ہیں اے قاصد
جو تیری تھی وہی اب اُنکی حالت ہوتی جاتی ہے

حکیمِ خوش بیاں تیرے سخن کا واہ کیا کہنا
تری بھی داغ کی مانند شہرت ہوتی جاتی ہے

فیشن

نازو انداز سے بڑھ کر ہے ادائے فیشن
ہر بشر ہے جو مری جان فدائے فیشن

کاش مخلوق رہی یوں ہی فدائے فیشن
دیکھنا کچھ بھی رہے گا نہ سوائے فیشن

مرد ، عورت ، ہی نہیں ، بچے سوا ہیں ان سے
چھوٹے چھوٹے بھی تو پھرتے ہیں بنائے فیشن

ہے سنیما کا تقاضا کہ مجھے دیکھ تو لو
اور پھر اُس پہ اشارے سے بلائے فیشن

پردہ داری کا یہ دشمن ہے تو پردہ کیسا
کیوں نہ پردے میں بھلا آگ لگائے فیشن

اہلِ غیرت تمہیں غیرت نہیں آتی افسوس
دھجیاں دامنِ عصمت کی اڑائے فیشن

کیا یہ پابندیٔ قانونِ شریعت ہے بھلا
غیر کی آنکھ سے یوں آنکھ لڑائے فیشن

حیف صد حیف کہ اس کا بھی تمہیں خوف نہیں
کہیں ایسا نہو دوزخ میں جلائے فیشن

کچھ خبر بھی ہے کہ بدنام ہوا جاتا ہے
فتنہ گر یہ ترا اندازِ ادائے فیشن

آخرِ کار یہی دیکھنا اک دن ہوگا
خود مٹے یا کہ زمانے کو مٹائے فیشن

ہم کو اس سے یہی کھٹکا ہے خدا خیر کرے
اہلِ فیشن کی حجامت نہ بنائے فیشن

فرض تھا اپنا کہ سمجھائیں تو سمجھا بھی دیا
آئے اب یا نہ سمجھ میں تری آئے فیشن

رحم کر اب تری مخلوق مٹی جاتی ہے
دور کر دے مرے مولا یہ بلائے فیشن

قوم کا پاس ہے اسلام کا خادم ہوں حکیم
فکر میں ہوں کہ کریں کوئی دوائے فیشن

لڑکیاں

بہ ایں دور میں آزاد جب یوں لڑکیاں ہوں گی
یقیناً دامنِ شرم و حیا کی دھجیاں ہوں گی

بتائیں کیا تمہیں اس کے سوا کیا مہرباں ہوں گی
کہیں بربادیاں ہوں گی، کہیں بدنامیاں ہوں گی

اثر ہوگا سکولوں میں یہ تعلیم محبت کا!
کہ پہلے رخصتیں ہو جائیں گی، پھر شادیاں ہوں گی

یہی اندازِ فلیشن ہے تو اس میں شک نہیں کوئی!
نکالے جائیں گے بھڑوے، پریشاں زندیاں ہوں گی

منڈا کر مونچھ داڑھی روپ تو اچھا بنایا ہے
خبر کیا تھی کہ اہلِ ہند ایسے لیڈیاں ہوں گی

زمانہ حال کی رفتار کہتی ہے زمانے سے
ابھی کیا ہے، ابھی تو اور بھی بدنامیاں ہوں گی

خدا کے واسطے خاموش، ورنہ اہلِ دنیا کو
یہ باتیں کب گوارہ اے حکیمِ خوش بیاں ہوں گی

مخمسہ

بر غزل استادالاساتذہ ناخدائے سخن میر تقی صاحب میرؔ مرحوم دہلوی

آرہی ہے یوں صدائے دردِ دل ہر بشر ہے مبتلائے دردِ دل
غیر ممکن ہے کہ جائے دردِ دل کیا کرے کوئی دوائے دردِ دل
دل ہی جب ٹھہرا بنائے دردِ دل

ہائے الفت میں کوئی ہمدم نہیں رنج و آفت میں کوئی ہمدم نہیں
اس مصیبت میں کوئی ہمدم نہیں آہ فرقت میں کوئی ہمدم نہیں
کاش! دل ہوتا بجائے دردِ دل

ضبط کی طاقت کہاں سے لائے گا غم بھی آخر یہ کہاں تک کھائے گا
دیکھنا! اُن کو یہی سمجھائے گا دل میں جو ہوگا زباں پر آئے گا
منہ سے کیا نکلے سوائے دردِ دل

اے دلِ بے اختیار آئے نہ آئے
بے قراری کو قرار آئے نہ آئے
اس کا کیا ہے اعتبار آئے نہ آئے
کیا بھروسہ ہے کہ یار آئے نہ آئے
کیا یقیں، جائے نہ جائے دردِ دل

ان کو یوں درکار ہیں آنکھیں مری
کیوں نہ ہوں جب چار ہیں آنکھیں مری
اس لئے گلزار ہیں آنکھیں مری
جلوہ گاہِ یار ہیں آنکھیں مری
دل بنا دولت سرائے دردِ دل

ہیں یہ جھگڑے عالمِ اسباب میں
حسرتیں اُس پہ دلِ بیتاب میں
ہم نے دیکھا رات کو یہ خواب میں
کشتیٔ امید ہے گرداب میں
لے خبر اے ناخدائے دردِ دل

کر حکیمِ شاد کو بسمل دیا
خوب یہ انعام اے قاتل دیا
ہم نے دیکھا ہے سرِ محفل دیا
میرؔ کیوں اس سنگدل کو دل دیا
ہو دل کیوں لے لے بلائے دردِ دل

خمسہ

بر غزل استاد السلطان دبیر الدولہ ناظم یار جنگ فصیح الملک بلبل ہندوستان
نواب مرزا خانصاحب بہادر داغ مرحوم دہلوی

مانگی نہیں دعائیں، ہو محبت میں اثر اور   افسوس کھنچا مجھ سے مرادِ شکمِ قمر اور
اس واسطے بے چین ہے دل اور جگر اور   یاں دل میں خیال اور واں تیرِ نظر اور
ہے حال طبیعت کا اِدھر اور اُدھر اور

دیکھوں تو سہی ہوتا ہے کیونکر نہ اثر اور   اشکوں کی جھڑی خوب لگے دیدۂ تر اور
کیونکر نہ رہے مجھ کو نیا خوف و خطر اور   ہر وقت ہے چتون تری اے شعبدہ گر اور
اِک دم میں مزاج اور ہے اک پل میں نظر اور

افسوس ذرا دھیان نہیں تم کو خدارا   غم اس لئے ہم کو نہیں فرقت کا گوارا
گھبراتے ہو کیوں فیصلہ ہوتا ہے تمہارا   ٹھہرا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا
لو حضرتِ دل ایک سُنو تازہ خبر اور

جس کا کہ کبھی کام ہی بہتر نہ ہو کوئی   ایسا بھی مقدر کا سکندر نہ ہو کوئی
راحت اُسے دنیا کی میسر نہ ہو کوئی   جیتا نہ بچے ایک بھی جانبر نہ ہو کوئی
دو چار ستمگار ہوں تیرے سے اگر اور

ہو ہی نہیں سکتی ہے جدا آپ سے نسبت رکھتا ہے ہر اک اہلِ وفا آپ سے نسبت
دنیا کے حسینوں کو بھلا آپ سے نسبت آپ آپ ہیں اور اور ہیں کیا آپ سے نسبت
ہوں لاکھ زمانہ میں اگر رشکِ قمر اور

پوچھے تو عدو ہم سے ترے ناز و ادا کو دیکھے تو سہی غور سے وہ شانِ خدا کو
دیکھا ہے لڑکپن سے ترے ظلم و جفا کو ہم جانتے ہیں خوب تری طرزِ حیا کو
ہے قہر کی آنکھ اور محبت کی نظر اور

آتا نہیں یہ ناز بہر طور کسی کو اس ظلم پہ افسوس نہیں غور کسی کو
جز اُن کے نہیں آتا ہے یہ جور کسی کو بھر بھر کے جو دیتے ہیں وہ جام اور کسی کو
لے لے کے مزے پیتے ہیں یاں خونِ جگر اور

ہے قہر و غضب کیا کہوں ظالم تری الفت آفت بھی نہیں ایسی تو سمجھتا ہوں قیامت
لو بیٹھے بٹھائے یہ ہوئی مفت ندامت دل دے کے لیا رنج و الم ہائے رے قسمت
ہم سمجھے تھے کچھ اور مگر ہائے ہوا اور

سمجھانہ حکیم اس کو بری ہوتی ہے چاہت مانا نہیں اب روز کی سہنا یہ مصیبت
معلوم نہیں کچھ بھی تجھے حالِ محبت اے داغ مے عشق کو کیا زہر سے نسبت
ہے اس میں اثر اور وہ رکھتا ہے اثر اور